ISSN: 2321-8339
اپریل-جون ۲۰۲۰ء

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

عقلی استدلال اور علم واخلاق کا تعلق
سید جلال الدین عمری

ماحولیاتی آلودگی۔ اسباب اور تدارک
جناب یاسر فاروق

ہندوستان میں علمِ حدیث
مولانا محمد جرجیس کریمی

نعت گوئی کا فن اور بعض ہندو شعراء
ڈاکٹر محمد اسامہ

شیخ علی متقیؒ اور ان کی تصنیف کنز العمال
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

حافظ غلام سرور اور ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن
ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری
پروفیسر عبد الرحیم قدوائی

رپورٹ سمینار 'عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز'
مولانا سراج کریم سلفی/مولانا جرجیس کریمی

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہنمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امام انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔ مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیام امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ــــــــــــــــــــ جون ۲۰۲۰ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ــ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۳۹ شمارہ: ۲

شعبان ــــــــــ شوال ۱۴۴۱ھ

اپریل ــــــــــ جون ۲۰۲۰ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.co

اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India:

Muslim University Branch, Aligarh

A/. No. 45221010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۵۰روپے
سالانہ	۲۰۰روپے
پانچ سال کے لیے	۸۰۰روپے
سالانہ (لائبریریاں واداارے)	۳۰۰روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۳۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۵/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ، دہلی سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

عقلی استدلال اور علم و اخلاق کا تعلق	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق وتنقید

ماحولیاتی آلودگی۔اسباب اور تدارک	جناب یاسر فاروق	۱۷

بحث ونظر

ہندوستان میں علمِ حدیث	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳۷
نعت گوئی کا فن اور بعض ہندو شعراء	ڈاکٹر محمد اسامہ	۵۱

سیر وسوانح

شیخ علی متقیؒ اور ان کی تصنیف کنز العمال	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۵

نقد واستدراک

حافظ غلام سرور اور ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن	ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری	۷۹
جوابِ استدراک	پروفیسر عبد الرحیم قدوائی	۹۵

رپورٹ سمینار

عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز	مولانا سراج کریم سلفی/مولانا جرجیس کریمی	۱۰۱

تعارف وتبصرہ

تجوید القرآن کے رہ نما اصول	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱۱۳
کھیل کود، تفریحات اور اسلام	مولانا عبد الحی اثری	۱۱۴
خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۷۵)	ادارہ	۱۱۹
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ جناب یاسر فاروق

لیکچرر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، گورنمنٹ ایم ڈی کالج، فیصل آباد (پاکستان)

yasirfarooq797@gmail.com

۲۔ مولانا محمد جرجیس کریمی

سینیر رکن، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

jarjeeskarimi@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر محمد اسامہ

گیسٹ فیکلٹی، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

usama9911@gmail.com

۴۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری شعبۂ اسلامی معاشرہ، جماعت اسلامی ہند

mrnadvi@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جی سی یونی ورسٹی لاہور (پاکستان)

khurshidahmadgcu@gmail.com

۶۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

ڈائرکٹر اکیڈمک اسٹاف کالج، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

sulaim_05@yahoo.co.in

۷۔ مولانا سراج کریم سلفی

اجمل خاں طبیہ کالج، ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

serajkarim365@gmail.com

۸۔ مولانا عبدالحی اثری

D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی۔ ۲۵

makkiabdulhai@gmail.com

۹۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

عقلی استدلال اور علم و اخلاق کا تعلق

(فکرِ اسلامی کا مطالعہ)

___________سید جلال الدین عمری

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ میں یکم تا ۳ /مارچ ۲۰۲۰ء 'عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز' کے مرکزی عنوان پر سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کے افتتاحی اجلاس میں صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری نے صدارتی خطاب فرمایا۔ اسے موصوف کی نظر ثانی کے بعد ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

دورِ جدید کو عقلیت (Rationalism) کا دور کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی بھی فکر وخیال کو عقل اور تجربہ کی بنیاد پر جانچا پرکھا جاتا ہے۔ اسلام وحی ورسالت کو علم اور آگہی کا قطعی اور آخری ذریعہ قرار دیتا ہے۔ لیکن موجودہ دور وحی ورسالت کو ایک واہمہ سمجھتا ہے، جس کا اس کے نزدیک کوئی عقلی ثبوت نہیں ہے، اس لیے کسی بھی مسئلہ میں وحی کا حوالہ اس کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ یہ وسیع کائنات، اس میں انسان کی حیثیت اور اس سے متعلق مسائل پر عقل کی روشنی میں گفتگو کا راستہ اسلام ہی نے دکھایا ہے۔ یہ علم وفکر کی دنیا میں ایک انقلابی اقدام ہے، لیکن اس کا اعتراف نہیں کیا جارہا ہے۔ اس وقت اسلام کے موقف کو کسی قدر وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

آیاتِ بینات

مذہب کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق دلیل اور منطق سے نہیں، بلکہ ایک خاص قسم کے ذہنی رویہ، مبہم سے عقائد، قومی روایات اور رسم ورواج سے ہے۔

اسے عقل کی میزان پر تولا نہیں جا سکتا۔ اسلام کو بھی دیگر مذاہب ہی کی طرح کا ایک مذہب تصور کیا جاتا ہے کہ وہ عقل و دانش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ایک غلط اور بے بنیاد خیال ہے۔ اسلام کا اولین خطاب عقل ہی سے ہے۔ وہ ہمارے سامنے ایک عقلی فلسفۂ حیات اور نظامِ فکر و عمل کی حیثیت سے آتا ہے اور اپنا نقطۂ نظر دلائل سے پیش کرتا ہے۔ انہیں وہ 'آیات بینات' سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ مخالفین سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مزعومات کو دلیل و برہان سے ثابت کریں۔

ایک جگہ شرک کی تردید، توحید اور عقیدۂ آخرت کے اثبات میں فرمایا:

أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

(النمل: ٦٤)

وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے؟ پھر وہ کون ہے جو (مرنے کے بعد) اس کا اعادہ کرے گا؟ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور فرماں روا بھی ہے؟ کہو: اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

قرآن نے اس طرح کا چیلنج دوسرے مقامات پر بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: البقرۃ: ۱۱۱۔ الانبیاء: ۲۴۔

قرآن مجید اپنے دامن میں آیاتِ بینات رکھتا ہے۔ اس نے جو کچھ کہا، واضح دلائل کے ساتھ کہا:

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ

(البقرۃ ۹۹:)

اور ہم نے آپ پر آیاتِ بینات (کھلی آیات) نازل کیں۔ ان کا انکار فاسق ہی کرتے ہیں۔

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے:

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ۔

(العنکبوت: ۴۹)

بلکہ وہ آیاتِ بینات (واضح آیات) ہیں ان لوگوں کے سینہ میں جن کو علم دیا گیا ہے (یعنی اہل کتاب) اور ہماری آیات کا وہی انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔

مابعد الطبیعیاتی مسائل کا انسان کے فکر و نظر اور اس کی پوری زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے، لیکن انسان ان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنے کے موقف میں نہیں ہے۔ محض بے بنیاد قیاس آرائی کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اہلِ عرب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کے نام بھی اسی مناسبت سے رکھتے تھے۔ قرآن نے کہا: اس بے بنیاد عقیدے کی کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی۔ ارشاد ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْن (الزخرف ۱۹)

انہوں نے ملائکہ کو، جو رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں قرار دیا۔ کیا وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود تھے؟! ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم: ۲۷، ۲۸)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھتے ہیں، حالاں کہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان کسی طرح حق کا بدل نہیں ہوسکتا۔

اسلام کا موقف یہ ہے کہ انسان عقل و شعور کا حامل ہے۔ وہ خیر و شر اور صحیح اور غلط کا فیصلہ اپنی عقل سے کرسکتا ہے۔ اس کا یہی وصف اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے اور اسے اسی وجہ سے اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اگر وہ عقل سے کام نہ لے اور آنکھیں بند کر کے ہر بات تسلیم کرنے لگے تو اس کا امتیاز ہی ختم ہوجائے گا اور وہ دوسرے حیوانوں کی طرح کا ایک حیوان قرار پائے گا۔

اس نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ قرآن تمہارے سامنے ہے اور تمہاری زبان میں ہے۔ اس پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کی تعلیمات برحق ہیں یا نہیں؟ سورۂ یوسف کے آغاز میں کہا گیا:

إِنَّا أَنزَلْنَهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف:۲)

ہم نے اسے قرآن عربی میں نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو۔

یہی بات سورۂ زخرف کے شروع میں اس طرح کہی گئی ہے: إِنَّا جَعَلْنَهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (آیت ۳) (ہم نے اسے قرآن عربی بنایا ہے، تاکہ تم اس پر غور کرو۔)

ایک جگہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل:۴۴)

ہم نے آپ پر یہ 'الذکر' (نصیحت) نازل کیا ہے، تاکہ آپ وہ کلام لوگوں کو کھول کر بیان کریں جو ان کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ شاید وہ غور وفکر کریں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اپنی بات وضاحت کے ساتھ پیش کرتا اور اس پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن مجید نے اس سے آگے پوری قوت سے ایک اور حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کا دین رہا ہے۔ یہ رسول انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں اور زمین کے مختلف خطوں میں آتے رہے۔ ان سب نے اسلام ہی کی دعوت دی اور دلائل سے اس کی حقانیت اس طرح ثابت کی کہ حجت تمام کردی اور مخاطبین بے دلیل ان سے الجھتے اور محاذ آرائی کرتے رہے۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَبِ الْمُنِيرِ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ۔ (فاطر:۲۵،۲۶)

اگر یہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے کی قوموں نے بھی تکذیب کی۔ ان کے پاس ان کے رسول 'بینات' (واضح دلائل) اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ (لیکن انہوں نے ماننے سے انکار کردیا) تو ہم نے ان انکار کرنے والوں کو عذاب میں پکڑ لیا۔ دیکھو ہمارے انکار کا کیا انجام ہوا؟[1]

۱۔ بعض رسولوں کو حسّی معجزات بھی دیے گئے۔ آیات بینات میں وہ بھی داخل ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے عقلی دلائل سے بھی اللہ کے دین کی حقانیت ثابت کی۔ انسان کی عقل ودانش سے خطاب سب ہی رسولوں کی دعوت کا لازمی حصہ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حسّی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا تو قرآن پر غور وفکر کی دعوت دی گئی کہ یہی آپ کا اصل معجزہ ہے۔ اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب 'تجلیات قرآن' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

یہ مذہب کی تاریخ کی ایک انقلابی تعبیر ہے۔ اس نے اس تصور کی بیخ کنی کردی کہ اسلام غیر عقلی مذہب ہے، یا کبھی رہا ہے اور اسے دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اس طرح قرآن نے عقل کے ذریعہ اسلام کی تفہیم کے دروازے ہی نہیں کھولے، بلکہ اسے تقدس عطا کردیا کہ یہی اللہ کے رسولوں کا طریقۂ دعوت رہا ہے۔

رسولوں کے مخالفین کا رویہ

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تاریخ، خاص طور پر ان کی دعوتی جدوجہد کی تاریخ، کہیں اختصار سے اور کہیں تفصیل سے بیان کی ہے۔ یہ تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول پوری سنجیدگی اور متانت کے ساتھ دلائل سے اپنی بات پیش کرتے ہیں، لیکن ان کے مخالفین کا رویہ انتہائی غیر سنجیدہ اور غیر مہذب ہوتا ہے۔ رسولوں کی تعلیمات کو وہ استہزاء اور تمسخر کا موضوع بنا لیتے ہیں۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلاَّ كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِئُون (الحجر:۱۱)	جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو وہ اس کا مذاق ہی اڑانے لگے۔

نیز ملاحظہ ہو: یٰس ۳۰:

رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ رسالت کیا تو آپ مخالفین کی تضحیک و تمسخر کا ہدف بن گئے:

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُواً أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولاً إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا (الفرقان ۴۱: ۴۲)

یعنی جب آپ پر نظر پڑتی تو وہ آپ کا مذاق بنا لیتے: کیا یہی صاحب ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تو ہمیں اپنے معبودوں سے برگشتہ ہی کردیں گے اگر ہم ان پر ثابت قدم نہ رہیں۔ (نیز ملاحظہ ہو: الانبیاء:۳۶)

اللہ کے رسول، جن سے بڑا دانش ور کوئی نہیں ہوسکتا، براہ راست اللہ تعالیٰ کی

ہدایت کے تحت اس کا دین بندوں تک پہنچاتے ہیں، لیکن ان کے مخالف بڑی بے شرمی سے انہیں پاگل اور دیوانہ قرار دیتے اور کہتے کہ ان عقل کے ماروں کی باتیں اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

رسولِ خدا ﷺ سے کہتے:

يَٰأَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (الحجر:۶)

اے وہ شخص جس پر یہ 'الذکر' (قرآن) اتارا گیا ہے تم تو بالکل ہی پاگل ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (الصافات:۳۵،۳۶)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک پاگل شاعر کی بات پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

یہ حقارت آمیز رویہ سب ہی رسولوں کے ساتھ رہا:

كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ۔ (الذاریات:۵۲)

اس طرح ان سے پہلے بھی جو رسول آیا تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر ہے یا مجنون۔

مخالفین کے اس بے ہودہ اور نامعقول رویہ کو اللہ کے رسولوں نے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا رہے ہیں اور تم اسے دیوانگی اور بے عقلی قرار دے رہے ہو۔ سوچو، اس کا دنیا اور آخرت میں کیا انجام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح قوم کو سمجھایا اس کا ایک نمونہ سورۂ ہود کی ابتدائی آیات میں موجود ہے:

"تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم کو ایک مدتِ خاص تک بہتر سامانِ حیات دے گا۔ جو صاحب فضل ہے اسے

اس کے فضل کے مطابق اجر عطا کرے گا۔لیکن اگر تم روگردانی کرتے ہو تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔تمھیں اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (ہود: ۳۔ ۴)

اخلاص اور خیر خواہی کی ان کوششوں کے باوجود آپ کے مخالفین آپ کی بات سننے کے بھی روادار نہ تھے اور صاف کہتے:

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِيٓ آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (فصلت: ۵)

ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔تم جس بات کی ہمیں دعوت دے رہے ہو وہ ان تک نہیں پہنچتی اور ہمارے کانوں میں بھاری پن ہے،اس لیے ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے لہذا جو کچھ تمھیں کرنا ہے کرو اور ہمیں جو کرنا ہے وہ کریں گے۔

یہ جھنجلاہٹ اور نفرت کی آخری حد ہے جس کا ان کی طرف سے مظاہرہ ہو رہا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دلائل کے ذریعہ جس طرح احقاقِ حق کیا اور اپنی قوم پر حجت تمام کی، اس کی تفصیل مختلف مناسبتوں سے قرآن مجید میں موجود ہے۔سورۂ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرٰهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (الانعام: ۸۳)

یہ تھی ہماری حجت۔ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی تھی ہم جسے چاہتے ہیں بلند درجات عطا کرتے ہیں۔بے شک تمہارا رب حکیم ہے،خوب جانتا ہے۔

یہ حضرت ابراہیمؑ کے علمی تفوق اور برتری کا بیان ہے۔ اس سے انہوں نے اپنی قوم پر حجت قائم کی اور وہ لاجواب ہوگئی۔حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ کے فوراً بعد آپ کی اولاد میں حضرت اسحٰق اور یعقوب سے جو پیغمبر مبعوث ہوئے ان کا حوالہ ہے۔ان کے متعلق ارشاد ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۚ (الانعام:۹۰)
یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت سے نوازا، لہٰذا تم ان کو دی گئی ہدایت کی اتباع کرو۔

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی عبادت واطاعت، تبلیغ دین کی سعی و جہد، ان کا صبر وثبات اور استقامت ہمارے لیے نمونہ ہے۔ اس کی اتباع ہونی چاہیے۔اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس طرح انہوں نے اللہ کے دین کو دلائل سے پیش کیا اور حق و باطل کے فرق کو واضح کیا وہ بھی نمونہ ہے۔ ہمیں دین کی خدمت میں وہی انبیائی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

علم اور عمل کا تعلق

علم کی اہمیت اور برتری ہمیشہ تسلیم شدہ رہی ہے۔لیکن علم اور عمل کے رشتہ کی طرف وہ توجہ نہیں کی جاتی جس کا وہ مستحق ہے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے مفکرین اور فلاسفہ کی زندگی بھی بسا اوقات ان کے فکر سے ہم آہنگ نہیں رہی ہے۔ اسلام جس علم کا ذکر کرتا ہے وہ انسان کی عملی زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اس کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ بارش ہوتی ہے، اس سے نوع بہ نوع مختلف رنگ کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔اسی زمین پر پہاڑ ہیں۔ ان میں سفید، سرخ اور بالکل سیاہ، کئی طرح کی دھاریاں ہیں۔اسی طرح حیوانوں اور انسانوں کے بھی رنگ روپ جدا جدا ہیں۔ان سب پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔فرمایا: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸) (اللہ کے بندوں میں علم والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔) یہاں علم کے ساتھ خشیت کا ذکر ہے۔ یہی خشیت ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ کے احکام کا پابند ہوتا اور نافرمانی سے لرزہ براندام رہتا ہے۔

یہ کائنات، جس میں ہم رہتے ہیں، اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں کارفرما قوانین اور ہم آہنگی اور توافق کو ایک سائنس داں قانونِ فطرت کہے گا اور

اس کی کوئی مادی توجیہ کرے گا، لیکن قرآن مجید کے نزدیک دانش مند وہ ہے جس کے لیے یہ کائنات اس کے خالق کی معرفت اور اس سے تعلق کا ذریعہ بن جائے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيٰتٍ لِّأُوْلِيْ الأَلْبَاب الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّار (آل عمران:۱۹۰)

زمین وآسمان کی تخلیق اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اولوالالباب (عقل والوں) کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ دنیا بے مقصد نہیں بنائی ہے۔ تیری ذات ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ ہم خطا کار ہیں۔ تو ہمیں عذاب جہنم سے بچالے۔

یہاں 'أولو الألباب' ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کا مطالعۂ کائنات انہیں اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے اور جو اٹھتے بیٹھے اور رات کی تنہائیوں میں اسے یاد کرتے ہیں۔ یہ ان کی زندگی پر ان کے علم ومعرفت کے اثرات کا ذکر ہے کہ وہ انہیں غفلت کا شکار ہونے نہیں دیتا اور وہ کسی بھی حال میں اسے فراموش نہیں کرتے۔

اسی مضمون کی ایک اور آیت ہے:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاء اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ۔ (الزمر:۹)

یہ ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جس کی راتیں اللہ کی یاد میں بسر ہوتی ہیں، جو اس کے سامنے خشوع کے ساتھ کبھی سجدہ کرتا اور کبھی قیام کرتا ہے۔ اس پر عذابِ آخرت کا خوف چھایا ہوا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت وعنایت کی بھی توقع رکھتا ہے۔ اور ایک دوسرا شخص اس کیفیت ہی سے ناآشنا ہے اور غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دونوں ایک ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الزمر:۹)

کہو کہ وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، دونوں برابر ہوں گے۔ بے شک اس سے اولوالالباب (عقل والے) ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قرآن اسی علم کو علم کہتا ہے جو انسان کے اندر اللہ تعالی سے امید و بیم کا چراغ روشن کرے اور وہ اس کے مطابق زندگی گزارے۔ جس شخص کو یہ دولت حاصل نہیں ہے وہ دنیائے علم کی کتنی ہی نام ور شخصیت کیوں نہ ہو، قرآن اسے صاحبِ علم نہیں کہتا۔

قرآن مجید نے 'اولوالالباب' کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان سے ایمان و یقین ہی سامنے نہیں آتا، بلکہ پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ کردار بھی نمایاں ہوتا ہے۔ سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الرعد:۱۹)

کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے جو دین تم پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کی طرح ہوگا جو اندھا ہے اور اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہا ہے۔ نصیحت تو 'اولوالالباب' (عقل والے) ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس کے بعد 'اولوالالباب' کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ ان کی فطرت نے ازل میں اللہ سے جو عہد کیا ہے اسے وہ پورا کرتے ہیں، اس پکے عہد کو کبھی توڑتے نہیں ہیں۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں ہر حال میں جوڑتے ہیں۔ ان پر اپنے رب کی خشیت طاری رہتی ہے اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں بُرا حساب نہ ہو۔ وہ اپنے رب کی رضا کے لیے ہر طرح کی مشکلات میں صبر کا ثبوت دیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اللہ نے ان کو جو دیا ہے اسے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، مخالف کی برائی کا جواب بھلے طریقے سے دیتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت کی کام یابی ہے۔

اولوالالباب کی یہ صاف ستھری تصویر ہے، جو قرآن نے کھینچی ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص کتنا ہی بڑا دانش ور کہلائے، قرآن کے نزدیک وہ اولوالالباب میں سے نہ ہوگا۔

علم اور اخلاق

قرآن مجید نے ایمان اور علم کو اخلاق سے وابستہ کیا ہے۔ جہاں ایمان اور علم ہوگا، اعلیٰ اخلاق دیکھے جائیں گے، وہاں تہذیب وشائستگی ہوگی، اجتماعی زندگی میں اطاعتِ امر کا جذبہ ہوگا اور نظم وضبط پایا جائے گا۔ ان اخلاقیات سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اہل ایمان سے خطاب ہے:

''جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں دوسروں کے لیے گنجائش پیدا کرو تو اس پر عمل کرو۔ (تمہارے دل میں کشادگی ہونی چاہیے) اللہ تعالیٰ تمھیں کشادگی عطا کرے گا اور جب کہا جائے کہ تم اٹھ کر (دوسروں کو جگہ دو) تو کھڑے ہوجاؤ۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (المجادلۃ: ۱۱) (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے، جو تم میں ایمان والے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، درجات بلند کرے گا اور اللہ، جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے باخبر ہے۔)

یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیے کہ اسلامی تاریخ میں صدہا بلکہ ہزارہا علمی شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے معقولات ومنقولات میں بڑی گراں بہا خدمات انجام دیں، ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور ان سے استفادہ کیا گیا، لیکن امت میں عزت واحترام ان ہی شخصیات کو حاصل رہا جن کے اندر علمی برتری اور قابلیت کے ساتھ تقویٰ وطہارت بھی پائی گئی اور جن کی سیرت اسلامی سیرت تھی اور جن کا کردار اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ امت نے ان ہی کو دین کا مستند ترجمان سمجھا۔ ان میں وہ عظیم شخصیات بھی ہیں جن کو تجدیدِ دین کا شرف حاصل ہے اور جنھیں امت نے امام اور مجدّد قرار دیا اور جن کی پیروی کو اپنے لیے باعثِ سربلندی سمجھا۔ ان میں ائمہ اربعہ: امام ابوحنیفہؒ، امام

مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعد کے ادوار میں غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے مجدّد دین کا نام لیا جاسکتا ہے، جن کے اندر علم اور تقویٰ دونوں کا امتزاج تھا۔

ہمیں موجودہ دور میں علم وتحقیق کی جدید تکنیک اختیار کرنی ہوگی۔ اس کے ساتھ اسلام کی مطلوبہ سیرت اور کردار بھی اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ وہ علم بے سود ہے جس سے دوسرے تو فائدہ اٹھائیں، لیکن ہماری زندگی اس کے اثرات سے خالی ہو۔ **اللھم انی أعوذبک من علمٍ لا ینفع، ومن قلبٍ لا یخشع، ومن دعاءٍ لا یُستجاب له۔**

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جارہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں تہذیب وسیات کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن وسلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی وسماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا موصوف کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپرد قلم فرمائے تھے اور وہ مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب وسیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔

صفحات: 96 قیمت: 65روپے

ماحولیاتی آلودگی: اسباب اور تدارک

جناب یاسر فاروق

موجودہ دور میں جہاں انسان نے مختلف پہلوؤں سے ترقی کی ہے اور نت نئی ایجادات کی ہیں، وہیں کئی مسائل بھی جنم دیے ہیں، جن میں ماحولیاتی آلودگی سرفہرست ہے۔ صنعتی ترقی، بڑھتی ہوئی آبادی اور مسائل کے حل میں غلط منصوبہ بندی کے نتیجے میں ماحولیاتی آلودگی کم ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ہر پلیٹ فارم سے ماحول کے تحفظ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، لیکن اس کا کوئی فائدہ مند اور خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آ رہا ہے۔

ماحول کسے کہتے ہیں؟

ماحولیاتی آلودگی کا تعلق صرف ہوا، پانی، زمین اور مٹی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں اخلاقی، ثقافتی، تعلیمی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی امور بھی داخل ہیں۔ لیکن یہاں ہم صرف طبعی ماحول سے بحث کریں گے۔

ماحول میں توازن ہو تو انسانی زندگی صحت مند اور پرسکون رہے گی اور اس میں بگاڑ ہو تو پھر زندگی کو خطرات کا سامنا ہوگا۔ زندگی کے تمام دیگر شعبہ جات کی طرح اسلام ہمیں ماحولیات سے متعلق بھی سنہرے اصول فراہم کرتا ہے، جن پر گام زن ہو کر ہم ماحول کو اپنے لیے اور دوسروں کے لیے انتہائی سازگار بنا سکتے ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی۔ اقسام و اسباب

ماحولیاتی آلودگی سے مراد قدرتی عوامل یا انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں

کائنات میں رونما ہونے والے وہ تغیرات ہیں جو اس میں موجود جان دار یا غیر جان دار اشیاء پر براہِ راست یا بالواسطہ برا اثر ڈالتے ہیں، یا کائنات کے اندر پیدا ہونے والے وہ بے شمار مسائل ہیں جو اس میں موجود قدرتی توازن میں بگاڑ اور منفی تبدیلیاں پیدا کر کے اسے نقصان پہنچاتے ہیں اور جن کی وجہ سے کائنات میں موجود حیوانات خصوصاً انسانوں کی زندگی اور صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔

گلوبلائزیشن کے اس دور میں جہاں ایک طرف انسانوں نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بے پناہ ترقی کر کے مختلف النّوع ایجادات، گوناگوں تحقیقات اور انتہائی مفید طبی، کیمیائی اور حیاتیاتی دریافتوں سے طرز زندگی کو ماضی کے مقابلے میں بہت بہتر اور آسان بنا لیا ہے، وہیں دوسری طرف معیار زندگی کو بہتر بنانے کی انسانی کوششوں نے قدرتی ماحول پر انتہائی بھیانک اور خطرناک اثرات مرتب کیے ہیں، جس کی وجہ سے پانی اور زمین کی طبی، کیمیائی اور حیاتیاتی خصوصیات میں ناپسندیدہ اور نامناسب تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں اور زمینی درجۂ حرارت میں خطرناک حد تک اضافہ ہو گیا ہے، جس سے عالمی حدّت کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، دیگر جان داروں کی زندگی کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں اور اس بات کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں مکمل طور ان کی زندگی ختم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اب ماحولیاتی مسائل اور ان کا حل عالم انسانی کا سب سے اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

آلودگی کی مختلف اقسام ہیں، جو فطرت میں انسان کی بے جا مداخلت سے جنم لے رہی ہیں۔ ان میں خاص طور پر قابل ذکر اقسام یہ ہیں: (۱) زمینی آلودگی، (۲) فضائی آلودگی، (۳) آبی آلودگی، (۴) صوتی آلودگی، (۵) سمندری آلودگی، (۶) شعاعی آلودگی۔ ان تمام آلودگیوں نے مل کر آج انسانوں اور جان داروں کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ غذائی اجناس کی کمی کو پورا کرنے اور فصلوں کی پیداوار بڑھانے کے لیے مصنوعی کھاد، کیڑے مار ادویہ، فنجائی مار ادویہ، فاضل جڑی بوٹیوں کو تلف کرنے والی ادویہ اور اسپریز کا بے دریغ استعمال۔

۲۔ کپڑوں اور دیگر اشیا کی صفائی کے لیے ڈٹرجنٹ اور کیمیکلز کا استعمال۔

۳۔ گندے پانی کو دریاؤں، سمندروں اور ڈیموں کی طرف بہانا۔

۴۔ پاور اسٹیشنوں کے درجۂ حرارت کو برقرار رکھنے کی غرض سے پانی کا استعمال، جس سے پانی کا درجۂ حرارت بڑھ جاتا ہے۔

۵۔ صنعتوں اور گاڑیوں سے خارج ہونے والی زہریلی گیسیں، دھواں اور فضلات۔

۶۔ صنعت کاری کا فروغ۔

۷۔ نیوکلیرری ایکٹر سے خارج ہونے والی شعاعیں، جن کا ماحول پر اثر لمبے عرصے تک پر رہتا ہے۔

۸۔ جنگلات کی بے دریغ کٹائی اور خاتمہ۔

۹۔ آبادی اور شہروں کا بہت زیادہ بڑھنا۔

۱۰۔ جنگوں میں مختلف کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال۔

۱۱۔ جان دار حیوانات اور پودوں کو ان کے اصل ماحول سے دوسرے ماحول میں منتقل کرنا۔

ماحولیاتی آلودگی کے محرکات

کائنات میں انسان سمیت بہت سے جان دار زندگی گزار رہے ہیں، جن کے کھانے پینے اور زندگی کا انحصار ارد گرد کے ماحول پر ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ماحول کے بگاڑ کا سبب انسان کو ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس دنیا کے ماحول کے بگاڑ کے نتیجے میں انسان جو نتائج بھگت رہا ہے یہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ (الروم: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو امتیازی صلاحیتیں دی ہیں، ان میں سے سوچنا، بولنا اور منصوبہ بندی شامل ہیں، جن کی بدولت انسان اپنے سے بہت زیادہ طاقت ور جانوروں کو بھی تابع کر کے انھیں اپنے فائدہ کے لیے استعمال میں لاتا ہے۔ مگر اس نے ان امتیازی صلاحیتوں کو وقتی سہولت اور فائدہ کے لیے استعمال کیا، نتیجتاً ان قدرتی عناصر کی قوتِ برداشت ختم ہونا شروع ہوگئی۔ خصوصاً جب سے انسان نے معدنیات، کوئلہ، تیل اور گیس

تک رسائی حاصل کی، ترقی کی دوڑ میں شامل ہوا، بھاپ سے چلنے والے انجن بڑے بڑے کارخانے اور مشینیں ایجاد کیں، اس وقت سے صنعتی اور تجارتی دوڑ شروع ہوگئی۔

ماحولیاتی آلودگی کے محرکات کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

ا۔ زرعی رقبہ پر رہائشی آبادیوں کا پھیلاؤ

زرعی رقبہ کے رہائشی علاقوں اور آبادیوں میں تبدیل ہوجانے کی وجہ سے وہاں کشادہ گلیاں، سڑکیں، ہوائی اڈے اور کارخانے وغیرہ بن چکے ہیں، جس سے ان علاقوں میں زرعی صلاحیت سے مالامال زمینیں تعمیرات کا حصہ بن کر بے فائدہ ہوگئی ہیں۔ اس سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ درختوں اور فصلوں میں کمی آگئی ہے، جو ماحول کی پراگندگی میں اضافہ کا سبب ہے۔

۲۔ زرعی زمین میں کیمیاوی اور معدنیاتی فضلات کا استعمال

سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے بعد ایجاد ہونے والی کیمیاوی ادویہ سے زیادہ پیداوار کا حصول تو ممکن ہوا، لیکن ان کے استعمال کی وجہ سے زمین میں مضر اثرات بھی پیدا ہوئے۔ بعض نباتات آلودہ زمین کے کیمیاوی اجزاء کی وجہ سے اپنے اندر زہریلے اثرات رکھتی ہیں۔ انسان یا حیوان ان کو استعمال کرتا ہے تو ان کا زہریلا مواد ان کے بدن پر اثرانداز ہونے لگتا ہے۔

۳۔ سطح زمین سے مٹی کی خاص مقدار کا خاتمہ

مٹی کے اوپر والی تہہ، جس میں نباتات کے گلنے سڑنے سے قوتِ زرخیزی میں اضافہ ہوتا ہے، نیز وہ اپنے اندر پودوں کی خوراک کے کثیر اجزاء کو سموئے ہوتی ہے، اسے خالقِ کائنات نے لاکھوں سال کی شکست وریخت کے عمل کے بعد اس حالت میں پہنچایا ہے۔ جب اس زرخیز زمین سے درخت اور نباتات کاٹ دیے جاتے ہیں تو وہاں پانی، ہوا اور برف کے ذریعہ مٹی اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر نباتات نہ ہونے کی وجہ سے زمین میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت کم رہ جاتی ہے، جو زرعی

پیداوار میں کمی کا باعث بنتی ہے اور اس سے ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے والے عوامل میں نقص پیدا کرنے کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

۴۔کارخانوں اور صنعتوں کی کثرت

جدید ٹکنالوجی کے سبب نئے نئے کارخانے اور صنعتی ادارے قائم ہو رہے ہیں۔ ان میں استعمال ہونے والے ایندھن کی وجہ سے ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار بہت زیادہ بڑھ رہی ہے، جس سے ان فاضل مادوں کے اخراج سے ماحولیاتی آلودگی میں ازحد اضافہ ہوا ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کے ان اسباب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہی نے ماحولیاتی اثاثے کی بربادی کے اسباب پیدا کیے ہیں، چاہے وہ حیاتیاتی انواع کو اپنے تابع بنانے کی صورت میں ہو، یا قابلِ کاشت زمین کی رہائشی اور صنعتی آبادیوں میں تبدیلی ہو، یا طبعی توازن میں خلل کا کوئی دیگر سبب ہو، ان سب کا ذمہ دار انسان ہے۔

فطرت میں دخل اندازی سے فساد پیدا ہوتا ہے

قرآن و حدیث میں ماحول کی افادیت و اہمیت کے بارے میں ہدایات بیان کی گئی ہیں۔قدرتی وسائل کے مناسب استعمال اور ان کے تحفظ اور ان میں اسراف سے پرہیز وغیرہ جیسی تعلیمات کی بدولت اسلامی تمدن میں آلودگی سے پاک ماحول پروان چڑھتا ہے۔انسان دنیا میں اللہ تعالی کا خلیفہ (نائب) ہے۔اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ احکام کی پابندی کرے اور حتی المقدور اپنے اردگرد کے ماحول کی درستی اور سلامتی کے لیے کوشاں رہے۔اگر انسان اُس فطری ماحول کے تحفظ و بقا کی جانب سے بے پروا ہوتو وہ اپنی اس ذمہ داری میں خیانت کا مرتکب ہوگا جو من جانب اللہ اسے تفویض کی گئی ہے۔

اشیاء کا غیر فطری طریقے سے استعمال یقیناً ماحول کی تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والا عمل ہے۔یہ فساد فی الارض ہے۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاس (الروم:۴۱)

"خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔"

قدرتی وسائل کا تحفظ

تخلیق کا جو عمل اللہ تعالیٰ نے شروع کیا اس میں محض انسان کی پیدائش نہیں تھی، بلکہ ساتھ ہی اس کے لیے تمام تر ضروری اشیاء و امور کا بندوبست بھی کیا گیا اور اس کو کئی طرح کے قدرتی وسائل و سہولیات سے نوازا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم دور کے مفکرین اور معاشرت سے دل چسپی رکھنے والے ماہرین اس بات پر متفق رہے ہیں کہ انسان دراصل ہوا، پانی، مٹی اور دیگر نامیاتی مرکبات سے لیس اس کائنات پر رہنے کے قابل ہے، ان کے بنا اس کائنات میں اس کا وجود برقرار رکھنا ناممکن ہے۔

پانی کی آلودگی کا تحفظ

پانی پر تمام جان داروں کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے آلودہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ کی تعلیم ہے کہ ٹھہرے اور بہتے ہوئے، دونوں قسم کے پانی میں پیشاب اور پاخانہ نہ کیا جائے، کیوں کہ وہ پانی کو آلودہ کر کے کالرا، ٹائیفائڈ، سوزشِ جگر اور ورمِ معدہ جیسے بہت سے امراض کا سبب بنتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: الْبَرَازَ فِی الْمَوَارِدِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِیقِ، وَالظِّلِّ ۱؎

"تین لعنت کا سبب بننے والی جگہوں سے بچو: پانی کے گھاٹ پر، راستہ میں اور سایہ دار جگہوں پر پاخانہ کرنے سے۔"

آپؐ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے:

لَا یَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِی لَا یَجْرِی، ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیهِ ۲؎

"تم میں سے کوئی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرے۔"

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے بھی

صراحت کے ساتھ ممانعت آئی ہے۔حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الْجَارِي ۳؎

''رسول اللہ ﷺ نے بہتے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے پانی میں نہانے سے بھی منع فرمایا ہے:

لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا ۴؎

''تم میں سے کوئی شخص، جو جنبی ہو، کھڑے پانی میں غسل نہ کرے۔
پوچھا گیا: اے ابوہریرہ، پھر وہ کیا کرے؟ انہوں نے کہا: باہر رہتے ہوئے پانی لے کر غسل کرے۔''

نبی کریم ﷺ نے تو یہاں تک تعلیم دی ہے کہ نیند سے بیدار ہوکر ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالا جائے۔آپؐ فرماتے ہیں:

إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ ۵؎

''جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے اسے وضو کے پانی میں نہ ڈالے، کیوں کہ اسے نہیں پتہ کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے؟''

طبی اعتبار سے پانی میں پیشاب کرنے یا اس میں گندگی ڈالنے سے 'بلہارزیا' (Balharzia) نامی بیماری کے جراثیم پھیل جاتے ہیں۔ پھر وہ مختلف مراحل سے گزر کر دم دار جرثومہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور جب کسی انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں تو سوزشِ جگر جیسی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کو زندگی کی بنیاد قرار دیا ہے۔اس حوالے سے قرآن کی نص بالکل واضح ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ ☐ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (الانبیاء: ۳۰) ''ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا ہے''۔اگر یہ کہا جائے کہ روئے زمین پر پائے جانے والے

ہر قسم کے جان دار کو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے پانی پر انحصار کرنا پڑتا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ قرآن میں اس نعمتِ خداوندی پر تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ پانی کے حیاتی پہلوؤں کے ساتھ اس کی سماجی اور مذہبی حثییت بھی مسلّم ہے، کیوں کہ یہ طہارت حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اسلام میں کسی بھی قسم کی بدنی عبادت جسم اور لباس کی پاکی کے بغیر ادا نہیں کی جا سکتی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَاءً طَهُوراً (الفرقان: ۴۸)

''اور ہم نے ہی آسمان سے صاف ستھرا پانی اتارا ہے۔''

پانی کی حفاظت کا قدرتی نظام جس قدر مضبوط اور یقینی ہے اس پر عقلِ انسانی متحیر اور انگشت بدنداں ہے۔ کیوں کہ روئے زمین پر موجود پانی کا محض چار (۴) فی صد حصہ ہی قابلِ استعمال ہے، باقی چھیانوے (۹۶) فی صد حصہ سمندروں کی شکل میں کلی طور پر نمکین ذائقہ رکھتا ہے، جسے عام طور پر استعمال کرنا آسان نہیں، تاہم انسان کے لیے اس میں بھی افادیت موجود ہے۔ سمندروں کی افادیت پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں واضح کلام فرمایا ہے۔ اس نے اس چار (۴) فی صد قابل استعمال پانی کی حفاظت کا بندوبست بھی اس طرح کیا ہے کہ عام مخلوقات اسے بہ آسانی استعمال کرسکتی ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ
وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخاً وَحِجْراً مَّحْجُوراً (الفرقان: ۵۳)

''اور وہی تو ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، جن میں سے ایک کا پانی لذیذ و شیریں ہے اور دوسرے کا کھارا اور کڑوا، پھر ان کے درمیان ایک پردہ اور سخت روک کھڑی کر دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے میٹھے پانی کا ذخیرہ ہمارے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ اب ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اسے آلودہ ہونے سے بچائیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے بہت واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ شریعت میں نہ صرف پانی کو

محفوظ اور صاف رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بلکہ اس کے بے جا وغیر ضروری استعمال سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے شریعت میں عمومی وخصوصی ہر دو قسم کے احکام موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ كُلُوا وَ اشْرَبُوا وَ لَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

(الاعراف:۳۱)

''اور کھاؤ پیو اور بے جا خرچ نہ کرو، اللہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کی قدرے تفصیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس تصریح میں ملتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

انَّ رسولَ اللهِ ﷺ مرَّ بسعدٍ، وهو يتوضأ، فقال: ''ما هذا السرف؟'' فقال: أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم، وإن كنت على نهرٍ جارٍ[۶]۔

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے۔ وہ وضو کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں پانی بہا رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپؐ فرمایا: اگرچہ تم جاری نہر پر (بھی وضو کر رہے) ہو تب بھی احتیاط برتو۔''

ہوا کی آلودگی

ماحولیاتی آلودگی میں سب سے بڑا موضوعِ بحث اور بگڑتا ہوا عنصر ہوا ہے۔ دراصل جب آلودگی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس میں سب سے پہلے ہوائی وفضائی آلودگی ہی مراد لی جاتی ہے۔ اس وقت زمین کے گرد ہوا میں دھوئیں، گیسز اور خطرناک قسم کی آلائشیں پائی جاتی ہیں۔ زندگی کا دارومدار ہوا پر ہے، اس کے بغیر چند لحظے بھی زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہوا کو ان نامیاتی اور زہریلی گیسوں سے پاک کیا جائے۔ جدید میڈیکل سائنس اس امر پر بہت پہلے تحقیق پیش کر چکی ہے کہ ہوا کی خرابی جلدی اور اندرونی لاتعداد بیماریوں کا سبب ہے، جس کے لیے ہنگامی بنیادوں پر ٹھوس

اقدامات اٹھائے جائیں، تاہم بین الاقوامی فورمز پر اس امر کو اتنی پذیرائی نہیں مل پا رہی ہے۔ ہوائی آلودگی اس وقت دنیا کے بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔ عالمی ادارہ برائے صحت کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں سالانہ ستّر لاکھ لوگ اس کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ ہوا چوں کہ حیات کی بقا کا انتہائی اہم عنصر ہے، اس لیے اس کی آلودگی نسلِ انسانی کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ امر ممنوع اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ (النساء:۲۹)

''اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''

ہوا کے تحفظ کے بارے میں اسلامی تعلیمات

نبی کریم ﷺ نے مکانوں اور گھروں کی صفائی کا بطورِ خاص حکم دیا ہے، نیز گلی کوچوں میں بھی کوڑا کرکٹ پھینکنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے تعفن پیدا ہوگا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتی ہے، پس تم اپنے گھروں کو صاف رکھو اور یہود کی مشابہت سے بچو، کیوں کہ وہ اپنے گھروں میں کوڑا کرکٹ جمع رکھتے ہیں۔''[۷]

یہود دراصل کوڑا کرکٹ رہائشی علاقوں کے سامنے ہی پھینک دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو ان کی مشابہت سے بچنے کی تاکید کی۔ تاہم آج ہمیں معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادیاں گندگی کا نمونہ پیش کرنے لگی ہیں۔ فقہاء نے اس حوالے سے جو بحثیں سپردِ قلم کی ہیں ان میں انھوں نے ہوا کو آلودہ کرنے کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ یہ اسباب دو طرح کے ہیں:

اول: آلودگی پیدا کرنے کے وہ وسائل جن سے شدید ضرر لاحق ہونے کا خطرہ ہو۔ انھیں ہر صورت میں بند کر دینا چاہیے۔ مثال کے طور حمام، ہوٹل اور اس طرح کی دیگر جگہیں، جہاں سے پیدا ہونے والے دھوئیں سے آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی

نظیر آج کل کے کارخانے ہیں، جن سے مضر قسم کی گیسیں خارج ہوتی ہیں۔

دوم: آلودگی کے وہ اسباب ہیں جن سے پیدا ہونے والا ضرر کم ہو اور زندگی پر اثرانداز نہ ہوتا ہو۔ اس کی مثال گھروں میں موجود تنور یا اس طرح کی چیزیں ہیں جن میں آگ جلا کر کھانے پینے کی اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔ ان میں نفس کی ہلاکت کے امکانات کم ہوتے ہیں اور ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ بھی اس حد تک نہیں ہوتا کہ اس کو خطرناک قرار دیا جاسکے، کیوں کہ اس میں ری سائیکلنگ کا عمل جاری رہتا ہے۔ ۸؎

اسی طرح فقہ کی کتب میں اس طرح کے فتاویٰ ملتے ہیں جن میں ماحول کو صاف رکھنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کو کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مطرفؒ (م ۲۲۰) ابن الماجشونؒ (م ۲۱۳) اور امام اصبغؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کے گھر میں چمڑہ رنگنے کا کارخانہ ہے۔ اس کی بدبو سے اس کا ہم سایہ اور آس پاس کے لوگ بہت زیادہ تنگ اور نالاں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''اس کارخانے کو بند کر دینا چاہیے۔'' ۹؎

شجر کاری کی اہمیت

اسلام میں شجر کاری کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ درخت جہاں ہمارے لیے صاف اور تازہ ہوا مہیا کرتے ہیں وہیں وہ پانی کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہیں، اس لیے کہ یہ زمین کو کٹاؤ سے بچاتے ہیں۔ نباتات کی طبی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ قرآنِ مجید سے ان کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَى طَعَامِهِ۔ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا۔ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا۔ وَعِنَبًا وَقَضْبًا۔ وَزَيْ □ تُونًا وَنَخْلًا۔ وَحَدَائِقَ غُلْبًا۔ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا۔ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ

(عبس: ۲۴۔۳۲)

''پھر ذرا انسان اپنے آپ کو دیکھے، ہم نے ہی اوپر سے پانی برسایا، پھر زمین کو عجیب طرح سے پھاڑا، پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتوں اور کھجور اور گھنے باغ اور طرح طرح کے

پھل اور چارے، تمہارے لیے اور تمھارے مویشیوں کے لیے
سامان زندگی کے طور پر۔''

احادیث میں بھی شجر کاری کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پر صدقے کی مانند ثواب ملنے کی بشارت سنائی ہے۔حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِن مسلمٍ یغرِسُ غرساً أو یزرِعُ زرعاً، فأكل منه طیر أو انسان أو بهيمة الا كان له به صدقة۱۰؎

''مسلمان جو بھی پھل دار درخت لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے
پرندے آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، اس کا ثواب اس کو ملتا ہے۔''

آپؐ کی تعلیمات میں درختوں کو کاٹنے کی واضح ممانعت ملتی ہے۔ حالتِ جنگ میں درخت کاٹنے سے کلّی طور پر منع کیا گیا ہے۔اسی طرح مسلم افواج کو یہ ہدایات دی جاتی تھیں کہ وہ فصلوں کو ہرگز برباد نہ کریں۔

فضائی آلودگی کے خاتمے میں درختوں کا کردار سائنسی تحقیقات سے بالکل واضح ہو چکا ہے، اس لیے ان کو کاٹنا یا ان میں ایسا تصرف کرنا جس سے ان سے فائدہ اٹھانے کی صورت باقی نہ رہے، غیر شرعی وغیر اخلاقی امر ہے۔ درختوں کو بلا وجہ کاٹنے پر سخت وعید آئی ہے، یہاں تک کہ اسے کافروں کا عمل شمار کیا گیا ہے۔

حضرت ابو قتادہ بن ربیعؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ نکلا۔ آپؐ نے فرمایا (یہ جنازہ) آرام والا ہے یا آرام دینے والا ہے۔ مجلس میں موجود صحابۂ کرام نے عرض کیا: اس کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کوئی مسلمان جب فوت ہوتا ہے تو کئی تکالیف اور صدمات سے وہ آرام حاصل کرتا ہے اور جس وقت کافر جب مرتا ہے تو انسان (وجنات کی) بستیاں، درخت اور جانور اس سے آرام حاصل کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگوں کو ستایا کرتا تھا، درختوں کو کاٹتا تھا اور ناحق جانوروں کو مارتا تھا۔۱۱؎

ماحولیاتی آلودگی کم کرنے میں درختوں کا بہت اہم کردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے شجرکاری کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِیْٓ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا (الانعام:۹۹)

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعے ہر قسم کی نبات کو نکالا، پھر ہم نے اس سے سرسبز شاخیں ابھاریں۔''

شجرکاری کی اہمیت بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّیْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا یَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ۔ ۱۲؎

''جو بھی مسلمان کوئی درخت لگائے گا اور اس سے کچھ کھا لیا جائے گا وہ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا۔ جو چوری کر لیا جائے گا وہ اس کے لیے صدقہ ہو جائے گا۔ جو کچھ اس سے جانور کھا لیں گے وہ صدقہ ہو جائے گا۔ جو کچھ اس سے پرندے کھالیں گے وہ صدقہ ہو جائے گا۔ جو کچھ اس میں سے کوئی کمی کرے گا وہ اس درخت لگانے والے کے حق میں صدقہ ہوگا۔''

ایک اور اسلوب سے آپؐ نے شجرکاری کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ یَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ قَدْرَ مَا یَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِ ذٰلِكَ الْغِرَاسِ۔ ۱۳؎

''جو شخص کوئی پودا لگائے گا اس کے لیے اس پودے سے نکلنے والے پھل کے بقدر ثواب لکھا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ہر اس شخص کے لیے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جو بنجر زمین پر فصل اگائے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَیْتَةً فَلَهُ فِیهَا أَجْرٌ۔ ۱۴؎

''جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا اس کے لیے اس میں اجر ہے''۔

درخت کو کاٹنے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من قطع سدرۃً صوّب اللہُ رأسَہ فی النار ۱۵؎

''جو شخص بیری کے درخت کو کاٹے گا، اللہ تعالی جہنم میں اس کے سر کو اوندھا کر دے گا۔''

مٹی کا تحفظ

زمین جان داروں کی بقا کے لیے جزو لاینفک ہے۔ قرآن مجید میں اسے جان داروں کے قیام کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ زمین سے نکالی جانے والی معدنیات اور اس پر اگنے والی نباتات جان داروں کی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ جان دار بشمول انسان اپنی غذا زمین سے حاصل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں زمین پہاڑوں، دریاؤں اور سمندر کا مسکن ہے، جو تمام کے تمام جان داروں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید ہمیں زمین کی پیداوار اور اس سے حاصل ہونے والے پھلوں کو انسانوں کے لیے استفادے کی یاد دلاتا ہے۔ اس لیے زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنا اور اس کو ہر طرح کے نقصانات سے بچانا اخلاقی و دینی فریضہ ہے۔ اپنی ضروریات، مثلاً مکان بنانے، زراعت کرنے، جنگلات اگانے اور کان کنی کے ایسے طریقے اپنانے چاہییں جو نہ صرف حال بلکہ مستقبل میں بھی کسی نقصان کا باعث نہ بنیں۔ یقیناً اس طرح کے مفید ترین وسیلے کو تباہ کرنا، اسے خراب کرنے کے مترادف ہے اور یہ غیر مشروط طور پر حرام ہے۔

کھلے عام گندگی پھیلانے سے پرہیز

اسلام کھلے عام گندگی پھیلانے سے منع کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے کہ ماحول کو مکدّر اور مسموم ہونے سے بچایا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ، قَالُوا: وَمَا اللَّعَّانَانِ؟ قَالَ: الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طُرُقِ النَّاسِ وَأَفْنِيَتِهِمْ۔ ۱۶

''دو لعنتی لوگوں سے بچو: لوگوں نے پوچھا: یہ دو لعنتی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ جو لوگوں کے راستوں اور ان کے سایوں میں قضائے حاجت کرتا ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ ۱۷

مسجد کے اندر تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔''

ان احادیث میں مسجد کی تخصیص شناعت اور قباحت بیان کرنے کے لیے ہے، ورنہ ہر عمومی جگہ کا یہی حکم ہے کہ وہاں قابل نفرت اور گندی چیزوں کو ڈھک دیا جائے۔

ماحولیات پر حیوانات کے اثرات

اسلام ہمیں جس ماحول کی حفاظت کا حکم دیتا ہے، زمین پر رہنے والے تمام جان دار اسی ماحول کا حصہ ہے۔ حیوانات نہ صرف انسانوں، بلکہ نباتات کے لیے بھی مختلف طریقوں سے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے زمین کی زرخیزی میں بھی اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ و تجربہ ہے کہ ان کے فضلات کو زمین میں زراعت سے قبل ڈالا جاتا ہے، جس سے زمین کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

صوتی آلودگی اور اس کے نقصانات

شہروں میں رہنے والی آبادی کے لیے آواز کی آلودگی بہت زیادہ پریشانی کا سبب بنتی ہے۔ آواز کے شور سے نہ آرام کیا جا سکتا ہے نہ توجہ سے کوئی سرگرمی انجام دی جاسکتی ہے۔ مریضوں کے لیے بلند آواز شدید تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ اسلام نے آواز کی بلندی کو سخت ناپسند کیا ہے، بلکہ قرآن اس کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دیتا ہے۔ آواز کے معاملے میں اسلام کا نظریہ معتدل ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

''اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیے اور نہ زیادہ پست آواز سے، بلکہ اس کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کیجئے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے آواز کی پستی کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (الحجرات:۳)

''جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور آواز کو پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''

جب کہ شور مچانا اور سیٹیاں بجانا اسلام میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ قرآن اسے کفار و مشرکین کی حرکات بتاتا ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً (الانفال:۳۵)

''بیت اللہ میں ان کی نماز بس یہی ہوتی تھی کہ وہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں آواز کی بلندی کو ایک قسم کی آلودگی قرار دیا گیا ہے اور اس میں اعتدال برتنے اور حد سے زائد تجاوز نہ کرنے کو سراہا گیا ہے۔

قدرتی وسائل کے استعمال کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

اسلامی تعلیمات انسان کو آسانی سے حاصل ہونے والے بیش تر قدرتی وسائل، مثلاً ہوا، پانی، زمین، جنگلات وغیرہ میں بھی بے جا خرچ کو پسند نہیں کرتی ہیں۔ اسلام کا مزاج نایاب اور کم یاب قدرتی وسائل (دھاتیں اور جان دار وغیرہ) کے بارے بالکل واضح ہے کہ ان کم یاب قدرتی وسائل کے استحصال کی کسی بھی قیمت پر اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ (ہود:۶۱)

''اس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا۔ لہٰذا اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب (تم سے) قریب بھی ہے، دعائیں قبول کرنے والا بھی۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابوبکر الجصاصؒ رقم طراز ہیں:

وفيه الدلالة على وجوب عمارة الأرض للزراعة والغراس والأبنية۔ ١٨؎

''اور اس میں زمین میں کھیتی کرنے، پیڑ پودے لگانے اور تعمیرات کے لیے آباد کرنے کے وجوب پر دلیل ہے۔''

قرآن کریم نے اپنے مخصوص اسلوب میں انسان کو آگاہ کیا ہے کہ وہ زمین کو برباد کر کے اس کے فوائد سے محروم نہ ہو۔ اس کی تباہی کو قرآن کریم نے فساد فی الارض سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (الاعراف: ۸۵)

''اور زمین کی درستگی کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو۔''

قرآن کی نظر میں ہر وہ چیز جو صلاح اور درستگی سے دور ہو جائے اور نفع کی صلاحیت کھو دے، فساد ہے۔ اگرچہ اس لفظ کا غالب استعمال عقیدہ اور عمل کی خرابی کے لیے ہوا ہے، لیکن کسی چیز کے توازن اور اعتدال کو بگاڑنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جس سے اس کی حقیقی افادیت آہستہ آہستہ کم ہو جائے۔ قرآن کریم میں اس طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرۃ: ۲۵)

''اور جب وہ تمہارے پاس سے پھر جاتا ہے تو پھر زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ فساد جو پسند نہیں کرتا۔''

انسانی صحت پر ماحولیاتی آلودگی کے اثرات

آلودگی چاہے کوئی بھی ہو، اس سے انسانی صحت اور قدرتی ماحول بُری طرح سے متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً شور کی آلودگی طبیعتوں میں چڑ چڑا پن، سردرد، تھکاوٹ، ڈپریشن اور بہرے پن کا سبب بنتی ہے۔ سائنس دانوں کی تحقیق کی مطابق اگر کوئی شخص مسلسل شور کے ماحول میں زندگی بسر کرے تو اس کے سننے کی حس بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنوعی شور، جس میں ٹریفک کا شور بھی شامل ہے، اس کی وجہ سے انسان اعصابی تناؤ، بے چینی اور طبیعت میں چڑ چڑا پن کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ جنریٹر یا مشینوں کی آواز سے یا اچانک دروازے کی گھنٹی کی آواز سے نیند ٹوٹ جائے یا اس میں خلل آجائے تو انسان کی طبیعت میں بے سکونی پیدا ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور ذہنی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح زراعت میں استعمال ہونے والی کیڑے مار ادویہ سے زمینی پانی کے ساتھ پینے کا پانی بھی آلودہ ہو رہا ہے۔ نائٹریٹس، جو کھادوں سے پانی میں شامل ہوتے ہیں، وہ شیر خوار بچوں میں خون کی کمی کا باعث بن رہے ہیں۔

کیڑے مار ادویہ کے علاوہ بھاری دھاتیں مثلاً Cadmium, Selemium, Lead Mercury وغیرہ، مختلف انڈسٹریز کے فضلات، گاڑیوں کے دھویں اور سیوریج کا گندا پانی، زمین، پانی اور فضا کو آلودہ کرنے کے ساتھ ہماری فصلوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ جب انسان یہ فصلیں استعمال کرتا ہے تو ان میں شامل دھاتی اجزاء معدے، جگر اور گردوں کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔

فضائی آلودگی کی وجہ سے انسانوں میں تنفس کی بیماریاں، مثلاً دمہ، ٹی بی اور الرجی پھیل رہی ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق دنیا میں ہر سال تقریباً تین ملین لوگ فضائی آلودگی کی وجہ سے لقمۂ اجل بنتے ہیں۔ مختلف صنعتوں اور گاڑیوں سے سلفر، کاربن اور نائٹروجن کے مرکبات کے اخراج کی وجہ سے آلودگی میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۷۵۰ء کی نسبت آج فضا میں اکتیس (۳۱) فی صد

زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ موجود ہے۔ ماہرین کے مطابق گرین ہاؤس گیسوں (کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، نائٹرس آکسائیڈ اور کلوروفلوروکاربن) میں سے بالخصوص کلوروفلوروکاربن (CFCs) کے اخراج کی وجہ سے اوزون کی حفاظتی تہہ، جو زمین پر سورج کی نقصان دہ شعاعوں کو پہنچنے سے روکتی ہے، ختم ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے مہلک بیماریاں پھیل رہی ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے بعض خطرناک شعاعیں انسانی خلیوں میں پائے جانے والے جینیاتی مادے (DNA) کو نقصان پہنچا کر کینسر جیسے موذی مرض کا سبب بن رہی ہیں۔

خلاصۂ بحث

ماحولیاتی آلودگی کے بنیادی طور پر دو ہی اسباب ہیں: جہالت اور مذہب بیزاری۔ جہالت کی وجہ سے لوگوں کو ماحول کو درست حالت پر رکھنے اور اسے بہتر بنانے والے اعمال کا علم نہیں، اور مذہبی بیزاری کی وجہ سے بے خوف وخطر اپنے مفاد کی خاطر ایسے کام کیے جاتے ہیں جن سے قدرتی ماحول بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، لیکن ہمارا طرزِ عمل اس سے یکسر مختلف ہے۔ اسی طرح اسلام میں ماحولیاتی آلودگی کا خاتمہ کرنے کی ہدایات اور اس حوالے سے ضمنی تعلیمات بھی موجود ہیں، جن کو نظر انداز کرنا خود اس میں خرابی کرنے کے مترادف ہے۔ انسان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ماحول کو تیزی سے تنزلی کی طرف لے جا رہا ہے، حالاں کہ اسلام نے ماحولیاتی آلودگی کے مسائل پر قابو پانے کے لیے بہت ہی آسان اور فطرت کے قریب ترین حل بتائے ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب ان جیسے سنگین مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ آج جس طرح کائنات کا ماحولیاتی توازن بگڑ رہا ہے اور فضائی اور زمینی آلودگی بڑھنے سے زمین کے درجۂ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے، جنگلات کی کمی واقع ہونے اور پیٹرول، بجلی اور ایٹمی توانائی کے بے جا استعمال سے کاربن ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن اور آکسیجن کا توازن بگڑ رہا ہے، گرین ہاؤس ایفیکٹ سے قطبین پر جمی برف پگھلنے لگی ہے، جو سطحِ سمندر کی بلندی کا سبب

ہے، اس کے نتیجے میں کئی ساحلی شہر، ملک اور آبادیوں کا وجود خطرے میں پڑ چکا ہے۔ بلا شبہ یہ انسانوں کی اپنے ہاتھوں کی کمائی اور وبال ہے، جو اللہ اور اس کے بندوں سے بے نیاز ہو کر محض اپنے مفادات اور خواہشات کی تسکین کا نتیجہ ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطھارۃ، بَابُ الْمَوَاضِعِ الَّتِی نَہَی النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ فِیہَا، ۲۶

۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطہارۃ، بَابُ ذِکْرِ نَہْیِ الْجُنُبِ عَنِ الِاغْتِسَالِ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ، ۴۰۰

۳۔ الطبرانی، المعجم الاوسط، ۱۷۴۹

۴۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، ۲۸۴

۵۔ بخاری، کتاب الطہارۃ، باب الاستجمار وترا: ۱۶۲

۶۔ ابن ماجہ، السنن، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء وکراہیۃ التعدی فیہ: ۴۲۵

۷۔ ابویعلی، المسند، دارالمامون للتراث، دمشق، طبع اول ۱۹۷۴ئ، ج۲ ص ۱۲۱

۸۔ محمد عبدالقادر، حمایۃ البیئۃ من التلوّث، القاھرۃ، طبع اول، ۱۹۹۰ئ، ص ۲۲

۹۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشیون الاسلامیۃ، الکویت، ج ۱، ص ۳۲۳

۱۰۔ بخاری، الصحیح، کتاب المزارعۃ، باب فضل الزراع والغرس

۱۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، ح ۶۵۱۲

۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲۳۲۰

۱۳۔ احمد، المسند: ج ۴، ص ۲۵۴

۱۴۔ ابن قدامۃ، المغنی: ج، ۸، ص ۱۵۴

۱۵۔ السجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، ۵۲۳۹

۱۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲۶۹

۱۷۔ مسلم، الجامع الصحیح: ۹۰۰

۱۸۔ جصاص، احکام القرآن

بحث ونظر

ہندوستان میں علمِ حدیث

(اب تک کی کاوشوں کا تعارف وجائزہ)

مولانا محمد جرجیس کریمی

''ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا: خشکی سے اور تری سے۔ خشکی کا راستہ درّۂ خیبر کا تھا، جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا، لیکن ان سے صدیوں پہلے اہلِ عرب، تاجر اور سوداگر کی حیثیت میں سندھ اور مالا بار سے لے کر گجرات تک بحر ہند کے پورے سواحل پر پھیل چکے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنا دین، قرآن اور علوم بھی لائے تھے۔ اس سے سالہا سال پہلے کہ اسلام کا کوئی تیغ زن سپاہی اس سرزمین پر قدم رکھے، یہاں مسلمان عربوں اور عراقیوں کی نو آبادیاں قائم تھیں اور مسجدیں تعمیر اور آباد تھیں۔ یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درس گاہیں تھیں، جن میں وہ بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسول کی آواز بلند کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے سواحلِ ہند پر عربوں کی آمد شروع ہوتی ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہر کلمہ گو کے لب و دہن أخبرنا اور حدّثنا کی خوش بو سے معطّر تھے، یعنی صحابۂ کرام کا عہد تھا۔ اسلام کا یہ پہلا مجاہد قافلہ تھانہ پر حملہ آور ہو رہا تھا، جو ان دنوں ممبئی کے بجائے بحر ہند کا آباد بندرگاہ تھا۔ اس کے بعد بھروچ (گجرات) اس مقدس بحری عسکر کی دوسری منزل گاہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں فوجوں میں دیدارِ نبوی سے مشرف ہستیوں کی کچھ تعداد یقیناً شامل ہوگی۔ اس لحاظ سے ہندوستان ان خوش قسمت ملکوں میں ہے جن کی خاک صحبت یافتگان نبویؐ کے پاؤں سے لگ کر ہماری آنکھوں کا کحل الجواہر بن چکی ہے۔''

یہ اقتباس علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اس تحریر کا ہے جو انھوں نے نوّے سال پہلے ہندوستان میں علم حدیث کا جائزہ لیتے ہوئے تمہیدی طور پر تحریر کی تھی۔ اس موضوع پر مولانا موصوف کا سلسلۂ مضامین ابتدائی طور پر معارف (اکتوبر۔ نومبر ۱۹۲۸ئ) میں شائع ہوا اور بعد میں یہ مقالاتِ سلیمان، جلد دوم کا حصہ بنا۔ انھوں نے ان مضامین میں یہاں کے علم حدیث کے سفر کا جائزہ پیش کیا ہے، جس میں عہد صحابہ سے لے کر ۱۳۴۵ھ تک کے محدثین اور علم حدیث سے وابستہ علماء وفضلاء کا تذکرہ ہے۔ جب یہ مضامین معارف میں اشاعت پذیر ہوئے تو ملک اور بیرونِ ملک علماء وفضلاء نے اس پر مزید تحریروں کا تقاضا کیا، اس پر مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''چوں کہ یہ ایک ایسا مضمون تھا جس کی معلومات اب تک کہیں یکجا نہ تھیں اور نہ کسی مصنف ومؤرخ نے اس کی طرف توجہ کی تھی، مجھے خود اس کی وسعت کا اتنا علم نہ تھا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، راستہ اور کشادہ اور فراخ معلوم ہوتا گیا، تاہم چوں کہ راستہ دیکھا نہ تھا اور نہ کسی اگلے پیرو کے نقش قدم کے وہاں نشان تھے، اس لیے ادھر ادھر بھٹکنا ناگزیر تھا۔ سلسلۂ مضمون میں قدم قدم پر تحقیق کی لغزشیں تھیں، مگر خوشی کی بات ہے کہ چند اور اہلِ ذوق بھی ہم سفر مل گئے اور ان کے ٹوکنے سے غلط رَوی کی اصلاح ہوگئی۔''

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی یہ تحریر ۶۹ر صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تحریر 'ہندوستان میں علمِ حدیث' کے موضوع پر نقشِ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد متعدد علماء و فضلاء نے اس کو موضوعِ بحث بنایا۔ خود علامہ موصوف کے زمانے میں علامہ ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے اسی عنوان سے مضامین لکھے، جو معارف میں شائع ہوئے۔ موصوف اپنے مضمون کے آغاز میں رقم طراز ہیں:

''عرصہ ہوا، معارف میں سلسلۃ الذھب بعنوان 'ہندوستان میں علم حدیث' حضرت جامع العلوم مولانا سید سلیمان ندوی زید مجدہ نے بامید اجراء ثبت فرمایا تھا۔ ہندوستان بھر کے اصحابِ نظر نے اس پر جو کچھ لکھا وہ تمام ملا کر بھی اس فرد یگانہ کے برابر نہ اتر سکا اور ابھی تک معارف کے لبوں پر کسی حریف مے مردافگن عشق کے لیے یہ

صدا مکرر باقی ہے۔

اب وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان میں لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے، مگر تحقیقِ علوم کے بجائے تبلیغِ مسلک اور مسائل جزئیہ پر ارمان نکلتے ہیں، افسوس کہ اس ترکِ حنیفیت کی وجہ سے اصل علم ہی دامانِ خیالِ یار کی طرح چھوٹا جارہا ہے۔ **ان الرزیّۃ کل الرزیّۃ** ہے اور جن حلقوں میں ایسی جنبہ داری کے بغیر یہ ذوق نظر آتا ہے ان میں نہ تو تحقیق خالص ہے، نہ فکر صحیح، بلکہ اپنے مستشرق شیوخ کی پیروی تک ان کی انتہا ہے۔ ایسے اربابِ نظر کا ماخذ مہماتِ کتب نہیں، بلکہ نجومات ہیں، جن پر یوں دادِ سخن لٹتی ہے کہ گویا اکتشاف فرمایا جارہا ہے اور حال یہ ہے کہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔'' ا؎

مولانا نوشہروی نے آٹھ (۸) قسطوں میں یہ مضامین لکھے اور 'ہندوستان اور علم حدیث' کے موضوع کو آگے بڑھایا۔ ۲؎

اس کے بعد 'ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات' کے عنوان سے کچھ مضامین مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری، استاد مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے ماہ نامہ برہان دہلی میں قسط وار شائع ہوئے۔ ۳؎ اس مضمون کی ابتدا میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''مولانا محترم سید سلیمان ندویؒ نے ہند میں علمِ حدیث پر مقالات کا ایک سلسلہ لکھا، جو معارف کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا۔ اس سلسلے میں جناب ممدوح نے حضرت ابوحفصؒ سے لے کر موجودہ زمانے تک کے ہندوستانی محدثین کا تذکرہ بسط کے ساتھ فرمایا ہے۔ لیکن زمین اتنی سنگلاخ تھی کہ مولانا، جو ایک ایک دانہ کو چن چن کر خرمن بنانے کے عادی ہیں، عاجز آگئے اور یہ اعتراف کرنا پڑا کہ 'کئی سال ہوئے جب میں نے ہندوستان میں علم حدیث کا سلسلہ لکھنا شروع کیا تو بکھری ہوئی معلومات کو اکٹھا کرنے اور الجھے ہوئے بیانات کو سلجھانے میں وہ زحمت اٹھانی پڑ گئی کہ آخر اس کو ناتمام چھوڑنا پڑا۔

پھر بھی جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا گیا وہ بہت قیمتی تھا، مگر مولانا نے اپنے اس مضمون میں تصانیف و تالیفات کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی اپنی تصانیف اور اپنے ماحول کے مطابق حصہ لیا یا نہیں؟ اس لیے

ڈاکٹر زبیر احمد الٰہ آباد یونی ورسٹی نے علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات کے عنوان سے اپنا (پی ایچ ڈی کا) مقالہ سپرد قلم فرمایا اور یہ فیصلہ دیا کہ ہندوستان کی جغرافیائی وسیاسی دشواریوں اور دقتوں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس خدمت سے کما ینبغی عہدہ برآ ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مضمون میں عہدِ غزنوی سے لے کر ۱۸۵۷ء تک غدر کے پہلے ان پینتالیس (۴۵) چھیالیس (۴۶) مصنفین ومؤلفین کے اسماء گرامی جمع کیے جنھوں نے عربی زبان میں علمِ حدیث کے متعلق کوئی نہ کوئی کتاب تصنیف کی۔ اس فہرست سے انھوں نے نواب صدیق حسن خاںؒ اور مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ وغیرہ اور ان کے معاصرین کو خارج کر دیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد جناب مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کا ایک مضمون اس موضوع پر معارف کے دو نمبروں (اکتوبر ونومبر ۱۹۴۵ئ) میں آیا، جس کے متعلق موصوف نے خود یہ دعویٰ کیا کہ مضمون ایک حیثیت سے گویا اس کا (ڈاکٹر زبید احمد صاحب کے مضمون کا) تکملہ ہے۔

ڈاکٹر موصوف کا مضمون اہم نیز عربی تالیفات یا تصنیفات تک محدود تھا، مگر مولوی صاحب موصوف نے اس تحدید کو ختم کر کے عام کر دیا، یعنی اس میں فارسی، اردو کی بھی ہر طرح کی تصانیف کو شمار کر لیا۔

اس طرح ان کے مضمون میں ایک سو اکتالیس (۱۴۱) مؤلفات اور اڑتالیس (۴۸) مؤلفین کا ذکر آ گیا، جو باعتبار فن بائیس (۲۲) اقسام پر منقسم ہیں۔ مگر سنہ کی تحدید انھوں نے بھی قائم رکھی اور نواب صدیق حسن خاںؒ کو نہیں چھیڑا۔'' [۴]

اس طرح مولانا ابوسلمہ شفیع بہاری نے ہندوستان میں کچھ اور حدیثی تالیفات کا تذکرہ کیا، مگر یہ سلسلہ ابھی ناتمام تھا۔ چنانچہ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ نے اس عنوان سے ماہ نامہ برہان دہلی میں ایک استدراک لکھا، جس میں اکاون (۵۱) حدیثی تالیفات کا سراغ لگایا، جو ہندوستانی علماء نے قلم بند کی تھیں۔ مولانا اعظمیؒ رقم طراز ہیں:

''برہان اگست ستمبر تا دسمبر ۱۹۵۳ء میں مسطور بالا عنوان کے تحت مولانا ابو

سلمہ شفیع احمد بہاری کا مضمون پڑھ کر خیال ہوا کہ اگر چہ مولانا نے تمام تالیفات کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا ہے، تاہم اس سلسلہ کی جن تالیفات کا اب تک ذکر نہیں ہوا ہے ان میں سے جن کے نام اس وقت ذہن میں ہیں ان کو بھی پیش کر دیا جائے تو خالی از فائدہ نہیں ہے۔ ذیل کی سطریں اسی خیال کی تکمیل ہیں۔'' ۵؎ مولانا اعظمی نے تقریباً اکاون (۵۱) تالیفات وتصنیفات کا سراغ لگایا ہے، جن کا تذکرہ ابوسلمہ شفیع احمد بہاری نے اپنے مضمون میں نہیں کیا تھا۔

ہندوستان میں علم حدیث کے جائزہ کے اس سفر کو پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحق ڈھاکہ یونی ورسٹی (بنگلہ دیش) نے ایک منزل اور آگے بڑھایا اور انھوں نے 'کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو دی اسٹڈی آف حدیث لٹریچر' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے اپنا مقالہ مذکورہ یونی ورسٹی میں جمع کیا۔ یہ کتاب ۱۹۶۴ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی اور اب کم یاب ہوگئی ہے۔ انھوں نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اسلامی ممالک سے ہندوستان کے تعلقات کی ابتدا سے لے کر دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے قیام تک برّعظیم کے مسلمانوں نے علم حدیث کو ترقی دینے کے لیے کیا کیا خدمات انجام دیں؟ اور یہاں کے نام ور محدثین اور علمِ حدیث کے مراکز نے اس علم کے فروغ واشاعت میں کس قدر اہم حصہ لیا ہے؟ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا شاہد حسین رزّاقی نے کیا ہے۔ یہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے مطبوع ہے۔ ناچیز کے پیش نظر اس کا طبع سوم (۲۰۱۳ئ) ہے۔ یہ کتاب دوسو چونسٹھ (۲۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''سہولت کے پیش نظر یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے: حصۂ اول ہند میں علمِ حدیث کی کیفیت اور یہاں کے محدثین سے متعلق ہے اور حصۂ دوم میں بیرونِ ہند کے ہندی محدثین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔'' (مقدمہ، ص ۱۱۔۲۱)

پروفیسر موصوف نے ہندوستان میں علم حدیث کے ارتقاء کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے: پہلا دور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قرار دیا ہے، جب سندھ پر عربوں کی تگ و

تاز شروع ہو چکی تھی، مگر مکمل فتح تابعین کے عہد میں حاصل ہوئی۔ اس دور میں علم حدیث ایک نئے ارتقائی مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔ اسی دور میں رجاء السندیؒ اور ان کے پوتے نے ہندوستان میں علم حدیث کو متعارف کرایا۔ دوسرا دور سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی سے شروع ہوتا ہے، ان کے عہد میں لاہور علم حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں سلطنت دہلی کے قیام سے علم حدیث ہند میں اپنی ترقی کے تیسرے دور میں داخل ہوا۔ اس دور میں شیخ زکریا ملتانیؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور شیخ سید علی ہمدانیؒ جیسے اصحاب علم وفضل نے فروغِ حدیث میں حصہ لیا۔ چوتھا دور نویں صدی ہجری کی ابتداء سے شروع ہوا، جب دکن میں بہمنی اور گجرات میں مظفر شاہی دو آزاد مسلم سلطنتیں قائم ہوگئیں اور بحری راستے کھل جانے کی وجہ سے ہند وعرب کے درمیان ثقافتی تعلقات کا آغاز ہو گیا۔ اس دور میں علم حدیث کی بہت وسیع اشاعت ہوئی اور اس سے غیر معمولی اور حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔

جائزے کا یہ سفر یہیں نہیں رکتا۔ ان کے بعد اور کئی اہلِ علم نے اس کو آگے بڑھایا۔ انہی میں سے ایک مولانا غازی عزیز ہیں۔ موصوف نے 'ہندوستان میں علماء ومحدثین کی دینی خدمات' کے عنوان سے سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں ایک مقالہ سپردِ قلم فرمایا، جس میں علمِ حدیث پر کی جانے والی کوششوں کا جائزہ لیا ہے۔ ۶؎ وہ لکھتے ہیں:

"برصغیر ہند میں محدثین اور علم حدیث کی اشاعت کے موضوع پر بہت سے علماء اور محققین نے زورِ قلم صرف کیا ہے، لیکن اس سلسلے میں اکثر معلومات ناقص ہیں۔ عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ پہلی چھ صدیوں تک بلادِ ہند میں حدیث کی تعلیم و تدریس، روایتِ حدیث اور محدثین نیز ان کی تصانیف کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ جن لوگوں نے اس سے قبل محدثین کے وجود کو تسلیم کیا ہے وہ بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگرچہ فن حدیث ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری سے قبل موجود تھا، لیکن اس فن میں علمائے وقت کو کوئی قابلِ لحاظ مقام ومرتبہ حاصل نہ تھا۔ بعض علماء نے تو ہندوستان میں علمِ حدیث کی آمد کو دسویں صدی ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔

اس ناقص تحقیق سے بلادِ ہند کی دینی و علمی تاریخ میں بڑا خلا محسوس ہوتا ہے۔ دراصل اس غلط فہمی کا بڑا سبب خاطر خواہ تتبع و تحقیق کا فقدان ہے۔ پھر جس طرح کہ فقہائے ماوراء النہر کی تصانیف نے ایمۂ احناف کی امہات الکتب کو پیچھے ڈھکیل دیا تھا، اس طرح اولین دور کے ان محدثین اور علماء کے علمی کارناموں (یعنی تصانیف، مدارس اور تلامذہ وغیرہ) کو بھی ہمارے علمائے عجم کے فکری میلان اور ان کے شیوع ورواج نے اس بری طرح بہا ڈالا کہ اس دور کی تاریخ کے صفحات بالکل کورے نظر آتے ہیں۔

پیش نظر مضمون میں اقالیمِ سندھ میں علم حدیث کے فروغ کے لیے کی جانے والی ابتدائی چند صدیوں کی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے، جو ہندوستان میں علم حدیث کا عہد زرّیں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ ۷؎

ہندوستان میں علم حدیث کے جائزے کی ایک سنہری کڑی مولانا عبد الرشید عراقی کی وہ تحریر ہے جو انھوں نے 'برصغیر ہندو پاک میں علم حدیث' کے عنوان سے لکھی ہے۔ان کی یہ کتاب ایک سو گیارہ (۱۱۱) صفحات پر مشتمل ہے۔ فاضل مصنف پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

''برصغیر پاک و ہند میں حدیث کی نشر و حدیث اور اس کی ترقی وترویج علمائے اہلِ حدیث کے ذریعہ بہت زیادہ ہوئی۔علمائے اہلِ حدیث نے درسِ حدیث کے ذریعہ بھی حدیث کی بہت اشاعت کی اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علمِ حدیث کو خوب پھیلایا۔ اس کے ساتھ علمائے اہلِ حدیث کا ایک اور کارنامہ ہے کہ برصغیر میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جس نے حدیث نبویؐ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور یہ نعرہ لگایا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے، حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔علماء اہلِ حدیث نے اس گروہ کا بھی مقابلہ کیا اور تحریر وتقریر کے ذریعہ اس فرقۂ باطلہ کی تردید کی اور حدیث کی تائید وحمایت اور نصرت و مدافعت میں بے شمار کتابیں لکھیں۔علمائے اہلِ حدیث نے حدیث کی خدمت میں جو کتابیں لکھیں، اس کتاب میں چار سو چھتیس (۴۳۶) کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۸؎

اس سلسلے کی ایک کڑی 'پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث'

بھی رہے۔ یہ مولانا ارشاد الحق اثری کی تصنیف ہے، جو ایک سو چھیالیس (۱۴۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے برصغیر میں اسلام کی آمد کی تاریخ بیان کی ہے، پھر چند نمایاں رجالِ حدیث کا تذکرہ فرمایا ہے، جن میں خانوادۂ ولی اللہ دہلویؒ اور میاں سید نذیر حسین دہلویؒ کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مزید انھوں نے برصغیر کے چند نمایاں مراکزِ حدیث کا حوالہ بھی شاملِ کتاب کیا ہے۔۹؎

یہ موضوع اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک برصغیر کے مشہور و معروف تذکرہ نویس و تاریخ نگار مولانا اسحاق بھٹیؒ کی اس پر لکھی گئی چند کتابوں کا تذکرہ نہ کر دیا جائے۔ ان میں قافلۂ حدیث، دبستانِ حدیث، گلستانِ حدیث اور چمنستانِ حدیث خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ذیل میں ان کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا بھٹی خود اپنی کتابوں کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اب یہ روداد شوق انگیز 'قافلۂ حدیث' کے نام سے نذر قارئین ہے۔ ترتیبِ عنوانات کی رو سے ظاہر طور پر روداد چھبیس (۲۶) اصحابِ فضل کی نشان دہی کرتی ہے، لیکن اس کے باطن میں جھانکنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں اہلِ علم کی ایک دنیا آباد ہے۔ یعنی ان چھبیس (۲۶) کے اسلاف، اساتذہ، تلامذہ، متاثرین، فیض یافتگان، ہم مکتب، ہم جماعت اور دوست و احباب اور مستفیدین کی متعدد قطاریں ہیں، جو تا حدِّ نگاہ دکھائی دیتی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ایک شخص کے حالات میں کئی اشخاص کے حالات کی تہیں کھلتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

یہ کتاب اہلِ حدیث اصحابِ علم کی نوع بنوع مساعی کو اجاگر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ان میں سے کس کس بزرگ نے کیا کیا معرکہ آرائیاں کیں؟ اور ان کے فکر و عمل کے حدود نے کس انداز سے کہاں تک وسعت اختیار کی؟ تصنیف و تالیف میں یہ حضرات کہاں تک پہنچے؟ تحقیق و کاوش کی کن کن وادیوں میں قدم زن ہوئے؟ درس و تدریس میں کہاں تک رسائی حاصل کی؟ اور وعظ و تبلیغ کے میدانوں میں انھوں نے کیا اثرات چھوڑے؟''

یہ کتاب چھ سو پینتالیس (۶۴۵) صفحات پر مشتمل ہے۔

دبستانِ حدیث کے 'حرفے چند' میں موصوف رقم طراز ہیں:

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کتاب 'دبستان حدیث' مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں برصغیر کے ان ساٹھ (۶۰) اہلِ حدیث علمائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے نبی ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کی تدریسی یا تصنیفی صورت میں تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کیا، یا کسی مدرسے میں طلبا کو کتب حدیث پڑھائیں، یا حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا، یا اس کی شرح لکھی، یا فتویٰ نویسی کی۔

ان ساٹھ (۶۰) حضرات میں سب سے پہلے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلویؒ کے حالات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں اور یہی سب سے زیادہ صفحات پر محیط ہیں۔ ان کے بعد اس کتاب میں حضرت میاں صاحب کے بے شمار شاگردوں میں سے گیارہ (۱۱) ذی مرتبت تلامذہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ اور مولانا محمد بشیر سہوانیؒ شامل ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ چوبیس (۲۴) اصحابِ فضیلت اور ہیں، جو عمر بھر تدریس یا تصنیف کی صورت میں خدمتِ حدیث میں مصروف رہے۔ ان میں عالی جناب نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ، مولانا عبد القادر لکھنویؒ، مولانا عطاء اللہ لکھنویؒ، مولانا محمد یونس دہلویؒ، مولانا عبد الجبار کھنڈیلویؒ، مولانا عبدالحق ہاشمیؒ، مولانا عبدالغفار ضامرانیؒ، مولانا علی محمد سعیدیؒ، مولانا عبدالغفور جہلمیؒ جیسی شخصیات خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔ خادمینِ حدیث کی اس رفیع القدر جماعت میں چوبیس (۲۴) محدثین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔''۱۰؎ یہ کتاب چھ سو چھہتر (۶۷۶) صفحات پر محیط ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی تیسری کتاب 'گلستانِ حدیث' ہے۔ اس میں بھی علامہ موصوف نے بیس (۲۰) ان علماء ذی وقار کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ان میں حکیم عبداللہ جیراج پوریؒ، قاضی طلا محمد پشاوریؒ، مولانا محمد بن ہاشم سامرور سورتیؒ، محمد شبلی جون پوریؒ، مولانا سلامت اللہ جیراج پوریؒ، محمد سعید بنارسیؒ، مولانا تلطف حسین عظیم آبادیؒ، مولانا عبدالاول غزنویؒ، مولانا

محمد ابراہیم چکڑالویؒ، مولانا عبدالسلام مبارک پوریؒ اور مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھیؒ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ چونتیس (۳۴) دیگر علمائے ذی وقار کا تذکرہ شامل ہے، جن میں مولانا محمد یوسف کلکتویؒ، مولانا سید تقریظ احمد سہسوانیؒ، مولانا عبد الجلیل سامرودیؒ، مولانا غلام احمد حریریؒ، مولانا عبیداللہ مبارک پوریؒ، ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوریؒ، مولانا صفی الرحمن مبارک پوریؒ، ڈاکٹر مقتدیٰ احسنؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ چھبیس (۲۶) باحیات علماء دین اوران کی حدیثی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی چوتھی تصنیف 'چمنستان حدیث' ہے۔ اس کے بارے میں موصوف 'حرفے چند' میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا بہ درجۂ غایت شکر گزار ہوں کہ اس نے برصغیر کی رفیع المرتبت شخصیات سے متعلق 'چمنستانِ حدیث' کے نام سے خوانندگان محترم کی خدمت میں کتاب پیش کرنے کی سعادت بخشی۔ اس فقیر کی سابقہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی برصغیر کے اہلِ حدیث علمائے ذی وقار کے حالات کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ یہ وہ بوریا نشین اور درویشانِ خدا مست ہیں جنھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر اپنے آپ کو قرآن وحدیث کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ کتاب میں ایک سو (۱۰۰) علماء کرام کے واقعاتِ حیات ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں، جن میں پندرہ (۱۵) حضرات کا تعلق براہِ راست حضرت میاں سید نذیر حسین دہلویؒ سے ہے۔ تینتیس (۳۳) وہ عالی قدر اصحاب علم ہیں جو حضرت میاں صاحب کے شاگردوں کے شاگرد یا ان میں سے کچھ بعد کے اساتذہ گرامی کے دائرۂ شاگردی میں رہے۔ اور باون (۵۲) وہ حضرات جو اللہ کے فضل سے زندہ ہیں اور مختلف مقامات میں تصنیفی وتدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، لیکن ان کا سلسلۂ شاگردی بھی آگے چل کر بالآخر حضرت میاں صاحب کے شاگردوں کی لڑی سے ملتا ہے۔ ۱۲؎

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ نے ان کتابوں میں جو اسلوبِ تحریر اختیار فرمایا ہے۔ اس کے بارے میں وہ خود وضاحت فرماتے ہیں:

"اس میں ہر خادم حدیث کی خدمات کے ساتھ اس کے حالاتِ زندگی بیان کیے

گئے ہیں۔ اس کا خاندانی پس منظر معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے، اس کے اساتذہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کی معاشرتی زندگی سے قارئین کو آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے شاگردوں کے ناموں اور ان کی علمی سرگرمیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نیز اس کی اولاد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچانے کی سعی کی گئی ہے۔ یعنی اس طرح ہر خادم حدیث کے واقعاتِ حیات حوالۂ قرطاس کر دیے گئے ہیں، تاکہ آئندہ کوئی شخص اس موضوع پر لکھنا چاہے تو آسانی سے ضروری کوائف اس کے سامنے آجائیں۔ ان کتب کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ حضرت میاں نذیر حسن دہلویؒ کے تقریباً پچاس (۵۰) تلامذہ کا تفصیلی تذکرہ شامل ہے، جنھوں نے خدمتِ حدیث میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔'' ۱۳۱؎

اس موضوع پر اس بات کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ یہاں اردو زبان میں مختلف کتبِ حدیث کے کتنے تراجم ہوئے ہیں؟ اور کس مقدار اور معیار کے ہوئے ہیں؟ چنانچہ اس ضمن میں ایک تحریر مولانا سید محبوب رضوی فہرست ساز کتب خانۂ دار العلوم دیوبند کی قابل ذکر ہے، جو انھوں نے 'اردو میں تراجم حدیث' کے عنوان سے قلم بند کی ہے۔ یہ ماہ نامہ برہان دہلی اکتوبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ موصوف رقم طراز ہیں:

''راقم سطور گزشتہ چند سالوں سے اردو تراجم کی ایک تفصیلی فہرست مرتب کر رہا ہے، جو ڈیڑھ سو سال سے اب تک اردو میں ہوئے ہیں۔ اس فہرست کی تقسیم علوم وفنون پر رکھی گئی ہے۔ فہرست کا گو معتد بہ حصہ مرتب ہو چکا ہے، مگر پھر بھی اس میں بہت کچھ کام باقی ہے۔ ذیل میں عنوان 'علم الحدیث' کی کتابوں کے ترجمے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان تراجم میں بیش تر ترجمے تو وہ ہیں جو اب بہت کم یاب اور نادر ہو چکے ہیں۔ بعض ترجمے تجارتی کتب خانوں میں ملتے ہیں، جن سے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بلحاظ اہمیت بعض کتب کے متعدد ترجمے کیے گئے ہیں۔ اس کی حسب موقع تصریح کر دی گئی ہے۔

علم الحدیث میں جو کتاب اردو میں سب سے پہلے ترجمہ ہوئی وہ حسن الصغانی کی مشارق الانوار ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ متنِ حدیث میں بھی یہ پہلی کتاب ہے، جو ہندوستان میں تالیف ہوئی۔ شیخ عبد الحق دہلویؒ کے زمانے تک مشارق الانوار درسِ

حدیث میں شامل تھی۔ مشہور مجاہد مولانا خرم علی بلہوریؒ (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) نے ۱۲۴۹ھ میں تحفۃ الاخیار کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

فن حدیث کے متعلقہ فنون کی کتابیں، جو اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں، ان کو بھی عنوان 'علم الحدیث' کے ذیل میں شامل کرلیا گیا ہے۔ البتہ مضمون کے طویل ہوجانے کے خوف سے 'چہل حدیث' کے متعدد ترجموں کو حذف کر دینا پڑا ہے۔ اگر چہ میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے، تاہم بہت ممکن ہے، بعض تراجم کا پتا مجھے نہ چل سکا ہو۔ اس لیے اگر کسی صاحب کی نظر میں علم الحدیث میں کوئی ایسا ترجمہ ہو جس کا ذیل میں ذکر نہیں ہے تو ازراہِ کرم اس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ یہ نہ صرف مجھ پر احسان عظیم ہوگا، بلکہ ایک علمی خدمت بھی ہوگی۔'' ۱۴؎

موضوعِ زیر بحث پر ایک عربی کاوش مولانا عبد الرحمن الفریوائی کی '**جهود مخلصة في السنة المطهرة**' ہے۔ یہ تقریباً ایک سو پچاس (۱۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ دار البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے حدیث کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کی تفصیل بیان کی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ وضاحت کردی جائے کہ جب معارف میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا سلسلۂ مضامین شائع ہوا تو اس کے استدراک میں موضوع کو اور آگے بڑھانے کے لیے اسی موضوع پر معارف میں چند اصحابِ علم کے اور مضامین شائع ہوئے۔ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کا حوالہ سابقہ سطور میں دیا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مضمون مولانا محمد فاروق بہرائچی کا بعنوان 'سلسلۂ عالیہ مجددیہ اور علم حدیث' شائع ہوا۔ ۱۵؎ ایک دوسرا مضمون مولانا محمد اعجاز حسن خان رئیس مظفر پور کا بعنوان 'تیموری عہد سے پہلے ہندوستان میں علم حدیث کا رواج' شائع ہوا۔ ۱۶؎ ایک اور مضمون مولانا عبید حسن برنی علیگ کا بعنوان 'امام صغانی۔ ہندوستان کے ایک قدیم محدث اور ادیب' زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ ۱۷؎ اسی سلسلے کی ایک مختصر تحریر مولانا فضل اللہ مدراسی، ناظم جامعہ دار السلام عمر آباد وآرکاٹ (تمل ناڈو) کی بعنوان 'مدراس میں علم

حدیث' شائع ہوئی۔ ۱۸؎ ایک مضمون 'سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث' ظفر احمد عثمانی شائع ہوا۔ ۱۹؎

کچھ عرصہ کے بعد موضوع زیر بحث پر ایک مضمون مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کا بعنوان 'ہندوستان میں علمِ حدیث اموی دور تک' شائع ہوا۔ ۲۰؎ یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مولانا موصوف کی ایک کتاب 'رجال السند والہند الی القرن السابع' منظر عام پر آچکی ہے، جس میں انھوں نے بہت تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ ابتدائی چند ہجری صدیوں میں بھی ہندوستان میں محدثین اور رواۃ حدیث کا غلغلہ بلند تھا۔ دیبل، منصورہ، ملتان اور لاہور کے مراکز میں علمِ حدیث کی سرگرمیاں جاری تھیں اور بغداد، بصرہ، کوفہ کی طرح یہ شہر علم حدیث کے مرکز تھے، جہاں رواتِ حدیث اور تصنیف کا سلسلہ جاری تھا۔

۲۱۔ ۲۲/اپریل ۲۰۰۳ء کو بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی (اسلام آباد، پاکستان) میں 'برصغیر میں علمِ حدیث' کے موضوع پر ایک سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کا مجموعۂ مقالات سہ ماہی فکرونظر اسلام آباد کے خصوصی نمبر اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۵ء میں بعنوان 'بر صغیر میں مطالعۂ حدیث' شائع ہوا ہے۔ اس میں تیرہ (۱۳) مقالات ہیں۔ یہ مجموعہ تین سو تہتر (۳۷۳) صفحات پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر ایک تحریر مولانا محمد مستقیم سلفی کی، مجموعۂ مقالات سمینار بعنوان 'علوم الحدیث۔ مطالعہ و تعارف' علی گڑھ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی ہے، جس کا عنوان ہے: 'علمائے اہلِ حدیث ہند کی خدماتِ حدیث'۔ اس میں تین سو انیس (۳۱۹) کتبِ حدیث اور ان کے مصنفین کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

موضوع زیر بحث پر ایک کتاب 'ہندوستان اور علم حدیث۔ تیرہویں اور چودہویں ہجری میں' کے عنوان سے مولانا فیروز اختر ندوی کی مرتب کردہ ہے، جو مرکز الشیخ ابی الحسن ندوی، مظفر پور اعظم گڑھ سے طبع ہوئی ہے۔ یہ اصلاً اس موضوع پر جامعۂ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں منعقد ہونے والے سمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔

اس پوری بحث سے ہندوستان میں علم حدیث کے ضمن میں کی گئی کاوشوں کا پتا

چلتا ہے۔ البتہ گزشتہ پچاس سال کے دوران میں برصغیر ہندو پاک میں حدیث سے متعلق جو تالیفات و تراجم ہوئے ہیں ان کا جائزہ لینا ابھی باقی ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ مذکورہ تحریروں کی روشنی میں ہندوستان میں علم حدیث کے موضوع پر ایک جامع مرقع تیار کیا جاسکتا ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ معارف، نمبر ۲، جلد ۵۹، فروری ۱۹۴۷ء

۲۔ یہ مضامین معارف میں شائع ہوئے، دیکھیے فروری مارچ اپریل، نومبر، دسمبر ۱۹۴۷ء اور جنوری ۱۹۴۸ء

۳۔ ماہ نامہ برہان اگست ۱۹۵۳ء

۴۔ مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہروی نے اس کے بعد ایک سلسلۂ مضمون لکھا، جس میں نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث کا تذکرہ تفصیل سے کیا تھا۔ (دیکھیے معارف فروری، مارچ، اپریل۔ نومبر، دسمبر ۱۹۴۷ء اور جنوری ۱۹۴۸ء

۵۔ برہان، فروری ۱۹۵۴ء

۶۔ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جولائی ستمبر ۱۹۹۲ئ، جلد ۱۱، شمارہ ۳ اور اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۲ئ، جلد دوم، شمارہ ۴۔

۷۔ حوالۂ سابق

۸۔ برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث، عبدالرشید عراقی، محدث اکیڈمی لاہور، ص ۱۶۔۱۷

۹۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث اور ارشاد الحق اثری، ادارۃ العلوم الاثریہ لاہور، فیصل آباد، ۲۰۰۱ء

۱۰۔ قافلۂ حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۱۔ دبستانِ حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مکتبہ قدوسیہ ۲۰۰۸ئ، ص ۹۱

۱۲۔ گلستان حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی

۱۳۔ چمنستان حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی، الکتاب انٹرنیشنل نئی دہلی، ۲۰۱۵ء

۱۴۔ دبستانِ حدیث، ص ۲۰

۱۵۔ اردو میں تراجم حدیث، مولانا سید محبوب رضوی، فہرست ساز، کتب خانہ دار العلوم دیوبند، ماہ نامہ برھان دہلی، اکتوبر ۱۹۴۲ئ، ص ۴۴۔ ۴۵ ۱۶۔ معارف ۶/ ۲۳، جون ۱۹۲۹ء

۱۷۔ معارف ۴/ ۲۴، اکتوبر ۱۹۲۹ئ

۱۸۔ معارف ۱/ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء

۱۹۔ معارف ۵/ ۵۳، جون ۱۹۴۴ء

۲۰۔ معارف جنوری ۱۹۷۳ء

نعت گوئی کا فن اور بعض ہندو شعراء

ڈاکٹر محمد اسامہ

[اس مضمون میں بعض باتیں دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے توجہ طلب ہیں۔ فی الحال ان سے صرف نظر کر کے مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ کوئی صاحبِ قلم اس طرف توجہ کریں تو تحقیقات اسلامی اس کا استقبال کرے گا۔ جلال الدین]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ایسی تھی کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اپنے نقوش مرتب کیے۔ ان میں سے ایک فنونِ لطیفہ اور ادب بھی تھا، جس کے ذریعے شعرائے کرام نے نعت گوئی کو ایک مستقل فن کی شکل دے دی۔ چناں چہ عہدِ نبوی سے لے کر عہدِ حاضر تک عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں نعتوں کا ایک بڑا ذخیرہ وجود میں آ گیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے نعت گو شعراء نے آپؐ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار اور نسلِ انسانی پر آپؐ کے احسانات کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی ابتدا اگرچہ عربی سے ہوئی، پھر یہ فارسی اور اردو زبان میں آئی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ عربی کے بعد سب سے زیادہ نعتیں اردو اور فارسی میں لکھی گئی ہیں۔

اردو کے غیر مسلم شعرا نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے متاثر ہو کر بڑی تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔ ان میں عرب وعجم اور مشرق ومغرب کے کئی نام ور شعراء شامل ہیں، جنھوں نے آپؐ کی ذات اقدس کو اپنا موضوع بنایا۔ اس کا اعتراف سیرت نگاروں نے بھی کیا ہے۔ چناں چہ ڈاکٹر حمید اللہ Hommage a Mahomet کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”الفانس (۱۸۶۹) اور تھامس کارلائل (۱۸۸۱) نبی اکرم ﷺ کے متعلق بہت خوب صورت اور مشہور صفحات رقم کرنے کے باعث شہرت

رکھتے ہیں، لیکن قلبی وسعت پر صرف اہلِ مغرب کی اجارہ داری نہیں۔ (یہ درست ہے کہ) ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کشیدگی بعض تاریخی وجوہ کے باعث کم نہیں رہی۔ یہ مختصر مجموعہ، جو ہم فرانسیسی بولنے والے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ مشرق میں بھی ایسے حضرات ہیں جو عام لوگوں کے معمولی تعصّبات سے بالاتر ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔''[۱]

غیر مسلم شعراء نے نبی کریم ﷺ کی مدح میں نعتیہ اشعار کیوں کہے؟ اس کے مختلف اسباب رہے ہیں۔ آپؐ کی پر کشش ذاتِ مبارک، صداقت، پاکیزگی اور آپؐ کے دنیا پر بلاتفریق قوم وملت کے احسانات سے متاثر ہو کر شعراء نے آپؐ کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ دراصل بعض شعراء ایسے تھے جنہوں نے آپؐ کو نہ صرف برحق سمجھا، بلکہ آپؐ کو آخری رسول کا درجہ دیتے ہوئے نعتیہ اشعار کے ذریعہ آپؐ کی مدح سرائی کی، نیز بعض شعراء نے آپؐ کی غیر معمولی انسانیت سے متاثر ہو کر آپؐ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی خواہش نے بھی اس میں اہم کردار ادا کیا۔ غیر مسلم شعرا کی طرف سے نعتیہ شاعری کو بڑھاوا دینے کی ایک بڑی وجہ رواداری کی وہ فضا رہی جو جنگ آزادی کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ نمایاں ہوگئی تھی۔ مخلوط معاشرے میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک طرح کی کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کی تہذیب وتمدن میں واضح اختلاف رہا، اس کے باوجود اہلِ فکر وقلم نے اپنی نثر اور شعر میں رواداری کی بہت عمدہ فضا قائم کی۔ اس کی تائید پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی اس تحریر سے ہوتی ہے، جسے انہوں نے کراچی کے ایک نعتیہ مشاعرے کے مسلم صدر کے حوالے سے لکھا تھا:

''مسلمان شاعروں کے لیے نعت گوئی تو ایک مذہبی فریضہ ہے، لیکن جب ایک ہندو شاعر یا کوئی غیر مسلم سخن ور آں حضرت کی شان میں نعتیہ کلام کہتا ہے تو وہ اپنا مذہبی فریضہ ادا نہیں کر رہا۔ ہاں اس سے اس بات کا اظہار ضرور ہوتا ہے کہ وہ ایک مذہب کا پابند ہوتے ہوئے پیغمبر

اسلام کی شان میں نعت کہہ رہا ہے تو گویا اس نکتے کی وضاحت کر رہا
ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ ہی دوسرے کے مذاہب اور بانیان مذاہب
کا احترام بھی ضروری ہے۔''۲؎

غیر مسلم شعراء کی طرف سے نعت گوئی کی ایک اہم وجہ برصغیر میں پروان چڑھنے والی مذہبی رواداری بھی تھی، جسے گنگا جمنی تہذیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عاشور کاظمی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی میں ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں گنگا جمنی
تہذیب پروان چڑھ چکی تھی۔ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ہندوؤں نے
مسلمانوں کی عمارات کی تعمیر میں حصہ لیا اور مسلمان مندروں،
گردواروں کو وظیفے دیتے تھے۔شرفاء کا لباس بلاتخصیص مذہب تھا۔
رہن سہن کے طریقے، آدابِ لباس و نشست و برخاست میں مذہب
حائل نہیں تھا۔ ہندو شعراء نعت، منقبت اور سلام کہتے تھے۔میلاد و مجلس
میں کلام پڑھتے تھے، مرثیہ کہتے، روتے اور رلاتے تھے۔''۳؎

عصر جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شعراء ملتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا۔لالہ لچھمی نرائن شفیق کا 'معراج نامہ' اور راجہ ماکھن لال ماکھن کا نعتیہ کلام اس کی واضح مثالیں ہیں۔آخر الذکر نے اپنی نعتوں میں کثرت سے قرآن و حدیث اور عربی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ان کے موضوعات نبی کریم ﷺ سے شفاعت اور نجات وغیرہ رہے ہیں۔بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حمید واحمد و محمود تم ہو یا رسول اللہ سعید واسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہ
بہر آن و زماں موجود تم ہو یا رسول اللہ دل و جان کے مرے مقصود تم ہو یا رسول اللہ ۴؎

راجہ ماکھن لال ماکھن ایک اور جگہ نبی کریم ﷺ کی تعریف میں کچھ اس طرح رطب اللسان ہیں:

یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے یاد تری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے ۱۵؎

برصغیر میں غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا۔مسلم

شعراء کی طرح ان لوگوں نے بھی عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے حضور اکرم کی سیرت و نعت کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔اس کی روایت تقریباً ڈھائی سو سال قدیم ہے۔البتہ برصغیر میں غیر مسلموں میں پہلا نعت گو شاعر کون ہے؟اس پر محققین کے درمیان اختلاف نظر آتا ہے۔اکثریت نے حیدرآباد کے مشہور شاعر لچھمی نارائن شفیق کو پہلا اردو نعت گو شاعر تسلیم کیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''کسی نے سنت کوی کبیر داس کو پہلا اردو نعت گو مانا تو کسی نے لالہ بدھ سنگھ قلندر دہلوی کو اولین نعت گو ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔لیکن جو ثبوت دیے گئے وہ ناکافی ہیں۔مثلاً کبیر داس جی کا جو نعتیہ کلام درج کیا گیا اس کو چند مصنفین نے تلسی داس کا نتیجۂ فکر بتایا اور کچھ نے گرو نانک دیو جی کا۔جن روحانی ہستیوں کے نام اس ضمن میں لیے جاتے ہیں، مثلاً بابا بھاگوداس، بابا چھیٹو داس، انہوں نے اپنے بھجنوں میں آں حضرت ﷺ کا اسم گرامی شامل کیا ہے،لیکن اردو میں لچھمی نرائن شفیق کو ہی باقاعدہ نعتیں کہنے والا پہلا غیر مسلم شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔''[۶]

نعت گوئی پر ہندی اثرات

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاعری پر مقامی اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیوں کہ شاعر اپنے گرد و پیش کے ماحول سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی نعت کے موضوعات پر ایرانی تہذیب وتمدن کے ساتھ ہندوستانی تہذیب وثقافت، ہندومت اور تصوف کے اثرات بھی پڑے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں بعض ایسی چیزیں شامل ہوگئیں جو عربی و فارسی نعتیہ کلام میں نہیں تھیں۔ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق 'اردو نعت میں ہندوستانی صنمیات کا اثر' کے تحت لکھتے ہیں:

''مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے، یہاں تک کہ حصولِ مقصد کے لیے اکثر خدا کو ان کی محتاجی ہوتی ہے۔''[۷]

ایسے عقائد وتصورات کے اثرات لازمی طور سے نعت کے مضامین پر بھی مرتب

ہوئے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں الوہیت اور نبوت میں فرق کو ختم کر دیا گیا، اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق کو مٹا دیا گیا، دونوں کی صفات کو ملا دیا گیا اور اس میں بعض مشرکانہ افکار و نظریات بھی شامل کر دیے گئے۔ جیسے نبی کریمؐ کو 'احمد بے میم' اور 'عرب بلا عین' کہا جانے لگا۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول میں مقابلہ کیا جانے لگا۔ جیسے:

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ مصطفیٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ [۸]

بعض نے اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر صاف لفظوں میں نبی کریم ﷺ کو اللہ بنا دیا۔ جیسے

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہوکر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفی ہوکر [۹]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نعت میں ہندو تہذیب سے متاثر ہوکر شعراء نے شرک اور غلو سے کام لیا اور توحید سے انحراف کیا، جو صریح طور پر نبی کریمؐ کے ارشادات کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مجھے حد سے نہ بڑھاؤ، جیسا کہ نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔" [۱۰]

شعراء کرام نے ہندو مذہب کے دیومالائی قصوں اور دیوتاؤں سے منسوب بے سرو پا کہانیوں سے متاثر ہوکر نبی کریم ﷺ کے معجزات اور سیرت نگاری میں بھی مبالغہ سے کام لیا اور میلاد، ولادت، معراج جیسے موضوعات کو خاص اہمیت دی۔ علی احمد جلیلی اس کے اسباب پر اپنی کتاب 'نقد و نگاہ' میں 'اردو نعت پر ہندی اثرات' کے تحت رقم طراز ہیں:

"اپنے ابتدائی دور میں جب اسلامی تہذیب ہندو معاشرت سے دوچار ہوئی تو ہندو دیوتاؤں کے فوق العادۃ قصوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بھی پیغمبروں اور خصوصاً حضرت محمد ﷺ کے بیانِ سیرت میں اس انداز کے واقعات کا خاص طور پر اظہار عام ہوا جو آپؐ کے معجزات سے متعلق ہیں۔ اس میں ایک وجہ ہندوانہ معاشرت کو، جو دیوی دیوتاؤں کے محیر العقول واقعات سننے کی عادی تھی، حضور اکرمؐ کی ذات

کی طرف راغب کرنا اور ان کے سامنے عظمت کی برتری کا تصور پیش کرنا تھا۔ بعدازاں ہندوانہ معاشرہ میں دیوی دیوتاؤں کی تعریف میں گائے جانے والے بھجنوں اور گیتوں کا جو پھیلاؤ ہے اس نے بھی اردو نعت کے داخل اور خارج دونوں کو متاثر کیا۔'' ۱۱؎

ہندی زبان نے بھی نعت گوئی پر اپنا اثر ڈالا، چناں چہ اس میں ہندی الفاظ کثرت سے شامل کیے گئے اور ان کے رموز و اشارات، تشبیہات و استعارات وغیرہ کا استعمال کیا جانے لگا۔ ہندی راگ کی لَے اور گیتوں کے طرز پر بھی نعتیں لکھی جانے لگیں۔ جیسے:

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی موہے پی کے دوارے بٹھا دیتی
میں نے راہِ مدینہ بھی دیکھی نہیں موری بہیاں پکڑ کے بتا دیتی
وا کے دوارے پہ جاتی ہیں سکھیاں سبھی، موری ارج کسی نے نہ اتنی کہی
کبھی اپنی جوگنیا کو بلواؤ تو وہ بھی روجے پہ جان گنوا دیتی
اللھم صل علی محمد ، یا رب صل علیہ وسلم ۱۲؎

بعض مشہور ہندو نعت گو شعراء

چند مشہور ہندو نعت گو شعراء کا تعارف ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

۱۔ مہاراجہ کشن پرشاد، شاد (۱۸۶۴-۱۹۴۰ء)

مہاراجہ کشن پرشاد نے مدرسۂ عالیہ حیدرآباد سے تعلیم حاصل کی۔ ان کو اردو، عربی، فارسی اور مراٹھی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے 'دبدبۂ آصفیہ' اور 'محبوب الکلام' کی ادارت کی۔ حکومتِ حیدرآباد نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں 'راجہ بہادر' (1291.H)، 'راجا راجایان مہاراجا بہادر' (1310.H) اور 'یمین السلطنت' (1320.H) کے خطابات سے نوازا۔ وہ پہلے معروف ہندو نعت نگار تھے، جنہوں نے بڑی تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صفات، ظاہری جمال، زلف وعارض اور خدّ وخال وغیرہ کو اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا ہے اور آپؐ کے حسن کو تشبیہ واستعارہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ان کے اشعار جذب وشوق اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ کلام کی تاثیر کچھ ایسی ہے کہ محسوس نہیں ہوتا

کہ یہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔ وہ اپنی شاعری میں عربی الفاظ وتراکیب کا استعمال بخوبی کرتے ہیں۔ مختصر اور سادہ بحروں میں اپنی بات کہہ جانا ان کا کمال ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ 'ہدیۂ شاد' [۱۳] کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا تھا، جو تقریباً ۲۲۰؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک سو تین (۱۰۳) غزلیں، ایک قصیدہ، سات مخمس، پانچ سلام اور کل اشعار ۱۳۳۱؍ ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

کافر ہوں کہ مومن ہوں ، خدا جانے میں کیا ہوں؟
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطانِ مدینہ
مدینہ کو چلو دربار دیکھو
رسول اللہؐ کی سرکار دیکھو [۱۴]

۲۔ چودھری دلورام کوثری (۱۹۳۴-۱۸۸۲ء)

دلو رام کوثری بھی نعت گوئی میں بہت مشہور ہوئے۔ ان کا حقیقی نام 'دلو رام' اور تخلص 'کوثری' تھا۔ وہ ۱۸۸۲ء میں قصبہ نانڈری، ضلع حصار، ہریانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے بشنوئی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، اس لیے کالج چھوڑ کر پہلے غزل میں طبع آزمائی کی، اس کے بعد زمانے کی تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے اسلامی روایات پر بے شمار نظمیں لکھیں۔ انہوں نے حیدرآباد دکن، رام پور، بھوپال، بہاول پور اور پٹیالہ وغیرہ کے درباروں میں اپنی شاعری سے عوام الناس کو محظوظ کیا۔

اخبارات نے دلو رام کوثری کو 'فردوسی ہند' اور 'قادر الکلام' کے معزز خطابات سے نوازا۔ ۱۹۲۸ء میں برصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے ان کی شاعری سے متاثر ہو کر انہیں 'حسان الہند' کا لقب دیا۔ اس پر وہ لکھتے ہیں:

ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا [۱۵]

دلو رام کوثری نبی کریمؐ کی محبت وشفقت اور حلم ودرگزر سے بہت متاثر تھے،

اس لیے انہوں نے آپؐ ہی کی ذاتِ گرامی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ بقول ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق:

''شاعر شروع سے آخر تک بس ایک عشق محمدیؐ کا دم بھرتا ہے۔''۱۶؎

کوثری نے اہلِ بیت اور صحابہ کرام کی مدح میں بھی کثرت سے اشعار کہے ہیں۔ ان کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچتی ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کے فن کو جِلا دی اور اس میں نت نئے مضامین نکالے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں ندرت وجدّت اور سادگی وسلاست بلا کی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ اشعار میں اس بات کا خصوصی اظہار کیا ہے کہ وہ ہندو ہیں اور ان کا تعلق دینِ اسلام سے نہیں ہے۔ ۱۷؎

دلورام کوثری کے کلام کا مجموعہ 'ہندو کی نعت' کے نام سے شائع ہوا، جسے حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے شائع کرایا تھا۔ بطور نمونہ ایک نعتیہ شعر ملاحظہ ہو:

کچھ عشق محمد میں نہیں شرطِ مسلماں ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمد ۱۸؎

۳۔ پنڈت بال مکند عرش ملسیانی (۱۹۰۸-۱۹۷۹ء)

عرش ملسیانی کا نام پنڈت بال مکند تھا۔ ان کے والد محترم پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی تھے۔ ان کی ولادت ملسیان ضلع جالندھر میں ہوئی۔ وہ ماہ نامہ 'رہ نمائے تعلیم' اور ماہ نامہ 'آج کل' کے مدیر رہے۔ حکومت پنجاب نے ان کو تین سال کے لیے راج کوی مقرر کیا تھا۔ ان کے شعری مجموعے 'ہفت رنگ' اور 'چنگ وآہنگ' ہیں۔ نیز انہوں نے عمر خیام کی رباعی کا ترجمہ 'ہست وبود' کے نام سے کیا تھا۔

عرش ملسیانی نے نبی کریم ﷺ اور ان کی صفات وخصوصیات کو اپنی نعتیہ شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی شاعری میں کذب وافتراء سے اجتناب کرتے ہوئے آپؐ کے صحیح اور حقیقی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ ان کی شاعری میں نبیؐ کی ذات گرامی سے عقیدت ومحبت، دلی تڑپ اور خلوص بہت نمایاں ہے۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ مخلوط معاشرے میں مذہبی تعصب سے اوپر اٹھ کر باہمی محبت ویگانگت کو فروغ دینے کی کوشش کرتے تھے، جس کا اعتراف مسلم علماء

اور ادباء نے بھی کیا ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادی ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قومی اور اجتماعی حیثیت سے۔۔۔وہ اس وقت کتنی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، ایک پُل اور ایک برزخ، ایک حرفِ ربط کا کام دے رہے ہیں۔ملک کی دو بڑی قوتوں، دو بڑی تہذیبوں، دو بڑے مذہبوں کے درمیان وہی خدمت، جو ماضی قریب میں اس ملک و وطن کی دو محترم ہستیاں انجام دے چکی ہیں، ایک مسز سروجنی نائیڈو اور دوسرے مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد شاد۔''۱۹؎

عرش ملسیانی کے کلام میں سادگی،سلاست و روانی ،جذبات نگاری،اظہار شیفتگی اور ترنم و موسیقی پائی جاتی ہے،جس سے ان کے اشعار میں غیر معمولی حسن پیدا ہوگیا ہے۔وہ صاحبِ دیوان نعت گوشعراء میں سے تھے۔ان کے مجموعہ کا نام' آہنگ حجاز' ہے۔ایک نعتیہ شعر بطور نمونہ پیش ہے:

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خونِ ہر بشر
حسن نمود زندگی، رنگ رخ حیات نو۲۰؎

۴۔منشی شنکر لال ساقی (۱۸۲۰-۱۸۹۰ء)

شنکر لال ساقی سکندر آباد میں پیدا ہوئے۔انہوں نے مروّجہ تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سہارن پور کی عدالت میں پیش کار کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔وہ بہادر شاہ ظفر کی سرپرستی میں منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں میں مرزا غالب،مومن خاں مومن اور ذوق کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ان کے اردو اور فارسی کے دو دیوان غیر مطبوعہ ہیں۔انہوں نے دونوں زبانوں میں نعتیہ کلام پیش کیے ہیں۔اگرچہ ان کو اپنی زندگی میں شہرت نصیب نہ ہوسکی،لیکن وفات کے بعد ان کے کلام کو غیر معمولی پذیرائی ملی۔ان کی نعتوں میں وصفِ محمدی کے مضامین غالب نظر آتے ہیں۔چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ آنکھوں نے دیکھا
روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہو گی
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی[۲۱]

۵۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸- ۲۰۰۴ء)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (موجودہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تلوک چند محروم (۱۸۸۷ - ۱۹۶۵ء) اردو کے معروف شاعر تھے۔ آزاد نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی اپنے والد سے حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۳۳ء میں میانوالی سے ہی ہائی اسکول پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ڈی اے بی کالج راولپنڈی سے انٹرمیڈیٹ کیا اور ۱۹۳۷ء میں گارڈن کالج راولپنڈی سے بی اے کیا۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور کا رخ کیا اور ۱۹۴۲ء میں فارسی میں آنرز کیا۔ ۱۹۴۴ء میں پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے فارسی میں ایم اے کیا۔ یہاں انہیں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر سید عبداللہ، صوفی غلام مصطفی تبسم، پروفیسر علیم الدین سالک اور سید عابد علی عابد جیسیا کابر اہلِ علم سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔

جگن ناتھ آزاد ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد ہندوستان چلے آئے اور دہلی میں مقیم ہوئے۔ انہوں نے 'ملاپ'، 'امپلائمنٹ نیوز' اور 'پبلی کیشنز ڈویزن' میں مختلف عہدوں کے تحت ملازمت کی۔ اسی دوران میں ان کی ملاقاتیں جوش ملیح آبادی، عرش ملسیانی، بلونت سنگھ اور پنڈت ہری چند اختر وغیرہ سے ہوئیں۔ جگن ناتھ آزاد کو ۱۹۷۷ء میں پروفیسر اور صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی کی پیش کش ہوئی جسے انہوں نے منظور کرلیا۔ ان کا انتقال ۲۰۰۴ء میں ہوا۔ ان کے کم و بیش دس بارہ شعری مجموعے شائع ہوئے جن میں 'طبل وعلم' (۱۹۴۸ء)، 'بیکراں' (۱۹۴۹ء)، 'ستاروں سے ذروں تک' (۱۹۵۱ء)، 'وطن میں اجنبی' (۱۹۵۴ء)، 'نوائے پریشاں' (۱۹۶۱ء) اور 'بوئے رمیدہ' (۱۹۸۷ء) بہت مشہور ہوئے۔

جگن ناتھ آزاد کا نعتیہ مجموعہ 'نسیم حجاز'۱۹۹۹ء میں محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، نئی دہلی سے شائع ہوا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کی نظم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔غالب اکیڈمی نے انہیں ۱۹۳۳ء میں نعتیہ کلام پر اول انعام سے نوازا تھا۔بطور نمونہ ان کے نعتیہ کلام کے چند شعر پیش کیے جارہے ہیں:

حقیقت کی خبر دینے بشیر آیا، نذیر آیا شہنشاہی نے جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
جسے حق نے کیا تسلیم، ختم مرسلیں آیا جسے دنیا نے مانا رحمۃ للعالمیں آیا

ہندو نعت گو شعراء کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہاں چند نام درج کیے جارہے ہیں: منشی بالا سہائے متصدی، پنڈت شیو ناتھ چک کیف (م ۱۹۱۴ء)، منشی للتا پرشاد شاد (۱۸۸۶۔۱۹۵۹ء)، پربھو دیال رقم (پ۱۸۹۱ء)، پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی (۱۸۱۱ء ۔۱۸۴۴)، شیو پرشاد وہبی لکھنوی، منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی (۱۸۷۳ء ۔۱۹۱۰ء)، مہر لال سونی ضیا (پ ۱۹۱۳ء)، چاند بہاری لال ماتھر صبا (پ ۱۸۸۵ء)، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر (پ۱۹۱۰ء) منشی روپ چند، پیارے لال رونق، چندی پرشاد شیدا، مہاراج بہادر برق، تربھون شنکر عارف، پنڈت ہری کشن، تلوک چند محروم، گوپی ناتھ امن، پنڈت نوبت رائے نظر، پنڈت امر ناتھ آشفتہ دہلوی، بھگوت رائے راحت کاکوروی، پنڈت برج نرائن چکبست، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، کرشن موہن، چندر پرکاش جوہر بجنوری، آنند موہن زتشی، گلزار دہلوی، اوما شنکر شاداں، اشونی کمار اشرف، ہری مہتا ہری اور چندر بھان خیال۔بحیثیت مجموعی نعت گوئی میں ان شعراء کی غیر معمولی خدمات رہی ہیں، جن کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔اس کا اعتراف خود مسلم ادباء اور محققین نے کیا ہے، چناں چہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری لکھتے ہیں:

> "ہندو نعت گو شعراء کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے نعت میں نمایاں اضافے کیے اور اردو میں ہندو شعراء کی نعت کا جو رجحان نظر آتا ہے اس کی مثال عربی و فارسی دونوں زبانوں میں نظر نہیں آتی۔"۲۲؎

غیر مسلم نعت گو شعراء کے متعلق چند مشہور کتابیں

غیر مسلم شعراء کی نعتوں کو جمع کرنے کی سب سے پہلے کوشش مشہور شاعر مرحوم والی آسی نے کی تھی۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب تک اس موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، فانی مراد آبادی، عارف پبلشنگ ہاؤس، سنہ اشاعت غیر مذکور، (لائل پور) فیصل آباد۔

☆ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، عبدالمجید خادم سہوروی، مسلمان کمپنی، لاہور، سنہ اشاعت غیر مذکور۔

☆ہندو شعراء کا نذرانۂ عقیدت، مکتبہ رضائے مصطفی، گوجرانوالہ۔

☆نور سخن، نور احمد میرٹھی، ادارۂ فکر نو، کورنگی، کراچی، سنہ اشاعت غیر مذکور۔

☆ بہر زماں بہر زباں، نور احمد میرٹھی، ادارۂ فکر نو، کورنگی، کراچی، ۱۹۹۶ء۔

☆غیر مسلموں کی نعت گوئی، راجا محمود رشید، نعت کدہ، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

☆اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو شعراء، ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث، پٹیل حفظ الرحمن، سنیہ نگر، امبا جوگا بائی، ضلع بیڑ، مہاراشٹر، ۲۰۰۳ء۔

☆اردو کے ہندو ادیب، ناظر کا کوروی، انوار بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء۔

☆ہندو شعراء اور دربارِ رسول اللہ ﷺ، محمد محفوظ الرحمن، انجمن تبلیغ اسلام، نگرام، لکھنؤ۔

☆اذانِ بت کدہ، منشی محمد الدین فوق، برادرس تاجران کتب، ظفر منزل، لاہور، ۱۹۳۴ء۔

☆ ہمارے رسولؐ، ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، مرکزی تحقیقات فارسی، رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۲۰۱۱ء۔

☆ دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات، پروفیسر شیث محمد اسمٰعیل اعظمی، کتابی دنیا، گلی نواب مرزا، ترکمان گیٹ، دہلی، ۲۰۰۲ء۔

حواشی و مراجع

۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ (۱۹۰۸-۲۰۰۲ء) نے ہندوستان کے معروف شاعر پنڈت جگن ناتھ آزاد کے نعتیہ کلام کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ "Hommage a Mahome" کے نام سے کیا ہے، جو پہلی بار ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ کتابچہ ۳۸؍صفحات پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے آزاد کے نعتیہ کلام سے ۱۰۷؍اشعار کا فرانسیسی ترجمہ دیا ہے۔ Jagan Nath Azad, Hommage a Mahomet, Traduit De I, Urdu Par Muhammad Hamidullah (Paris: Tougui, 30 rue Rene Boulanger, 1990

۲۔ میرٹھی، نور احمد، بہر زماں بہر زباں، ادارۂ فکر نو، کورنگی، کراچی، ۱۹۹۶، ص ۴۷

۳۔ کاظمی، سید عاشور، اردو مرثیے کا سفر (سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک) اور بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۶، ص ۱۹۹

۴۔ طلحہ برق، اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۳۲

۵۔ راجہ ماکھن لال ماکھن کا قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اسی سے یہ اشعار لیے گئے ہیں۔

۶۔ ناتھ، دھرمیندر، ہمارے رسولؐ، مرکزی تحقیقات فارسی، رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۲۰۱۱، ص ۱۷۱

۷۔ اشفاق، رفیع الدین، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی، سندھ کراچی، ۱۹۷۶، ص ۱۰۱

۸۔ کلّیاتِ شائق، ص ۱۲۸

۹۔ آسی، غازی پور

۱۰۔ بخاری: ۳۴۴۵

۱۱۔ جلیلی، علی احمد، نقد و نگاہ، جلیل منزل، سلطان پورہ، حیدر آباد، ۱۹۹۷، ص ۴۷

۱۲۔ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی، بزم عرب: ۱/۵۷

۱۳۔ اس حوالے سے نور احمد میرٹھی نے اپنی کتاب 'نور سخن' میں لکھا ہے: ''ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اسے 'ہدیہ شاد' کے نام سے موسوم کیا ہے جب کہ رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اردو میں نعتیہ مجموعہ کا نام 'خمکدۂ رحمت' تحریر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں ہی نعتیہ مجموعے ہوں۔'' ملاحظہ ہو: میرٹھی، نور احمد، نور سخن، ادارۂ فکر نو، کراچی، سنہ اشاعت غیر مذکور، صفحات

۲۵-۲۴، البتہ راقم نے جب اس کی تحقیق کی تو پایا کہ یہ دونوں ایک ہی مجموعہ کے نام ہیں، جس کا نام 'خم کدۂ رحمت، موسوم بہ ہدیۂ شاد' ہے اور یہ محبوب پریس، حیدرآباد دکن سے شائع ہوا تھا۔

۱۴۔ کشن پرشاد، ہدیہ شاد، ص ۹۲

۱۵۔ محمد دین فوق (مرتبہ)، اذان بت کدہ، ص ۲۴

۱۶۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ص ۵۳۷

۱۷۔ ایک روایت کے مطابق دلورام کوثری نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اسلام قبول کرلیا تھا اور اپنے لیے 'علی کوثری' نام منتخب کیا تھا۔ ان کا مزار غالباً مشہور قبرستان میانی صاحب (لاہور) میں ہے، ماہ نامہ، شام وسحر، لاہور، پاکستان، مارچ ۱۹۷۶ء، ص ۴۷

۱۸۔ اذانِ بت کدہ ص ۲۴۔ ڈاکٹر بانو سرتاج نے اپنی کتاب 'اردو شاعری اور قومی یکجہتی' میں ان کا نام 'دَتّو رام' لکھا ہے اور شعر کے الفاظ بھی کچھ یوں ہیں: کچھ عشق پیمبر ہی نہیں شرطِ مسلماں — ہے کوثری ہندو بھی طلبِ گار محمد۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر بانو سرتاج، اردو شاعری اور قومی یکجہتی، پہچان پبلی کیشنز، برن تلہ، الہ آباد، یوپی، جنوری ۲۰۰۴ء، ص ۱۴

۱۹۔ عرش ملسیانی، آہنگ حجاز، دیباچہ، مولانا دریاآبادی، ص ۶

۲۰۔ آہنگِ حجاز، ص ۶

۲۱۔ اذانِ بت کدہ، ص ۳۵-۳۳

۲۲۔ آزاد، محمد اسمٰعیل، سوغاتِ صنم خانہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص ۲۹

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے: خدمتِ خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر وثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ قیمت: ۱۱۰/ روپے

سیر وسوانح

شیخ علی متقیؒ اور ان کی تصنیف کنز العمال

ــــــــــــــــ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

برصغیر ہند میں علم حدیث کے فروغ واشاعت کی ایک زرّیں تاریخ ہے۔ یہاں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے، جن سے پورا عالمِ اسلام فیض یاب ہوا۔ انھوں نے حدیث کی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دی اور ان کی تصانیف کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایسی ہی ایک شخصیت دسویں صدی ہجری/سولھویں صدی عیسوی کی شیخ علی متقیؒ کی ہے، جن کا شمار ہندوستان کے اکابر محدثین میں ہوتا ہے، بلکہ انھیں اپنے زمانے میں عالم اسلام کا سب سے بڑا محدث قرار دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے لکھا ہے:

> ''اگر کہا جائے کہ شیخ علی متقیؒ دنیائے اسلام میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے محدث تھے تو شاید غلط نہ ہوگا۔'' [۱]

نام ونسب

شیخ کا نام علی اور لقب علاؤ الدین تھا۔ ان کا نسب یہ ہے: علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خاں۔

وطن اور ولادت

شیخ علی کے آباء واجداد ریاست اتر پردیش کے مشہور شہر جون پور سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کا خاندان ان کی ولادت سے قبل موجودہ ریاست مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر برہان پور منتقل ہو گیا تھا۔ یہیں ۸۸۸ھ/ ۱۴۸۳ء (اور بعض مؤرخین کے مطابق ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۱ء) میں ان کی ولادت ہوئی۔

اساتذہ

شیخ علی متقی کی ابتدائی تعلیم کا حال سوانح نگاروں نے تحریر نہیں کیا ہے۔ ان کے اساتذہ میں درج ذیل حضرات کے نام ملتے ہیں:

۱۔ شیخ حسام الدین متقی ملتانیؒ: شیخ علی ان کی خدمت میں دو برس رہے اور ان سے استفادہ کیا۔

۲۔ شیخ ابوالحسن بکری صدیقی شافعیؒ (م ۹۵۲ھ): شیخ علی نے مکہ مکرمہ میں ان سے حدیث کا درس لیا۔

۳۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکّیؒ (م ۹۷۴ھ): یہ مکہ کے مفتی اور بلند پایہ فقیہ تھے۔ شیخ نے ان سے کسب فیض کیا۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ بعد میں شیخ احمد بن حجر مکی خود شیخ علی متقی کے حلقۂ تلمّذ و ارادت میں داخل ہو گئے تھے۔

۴۔ شیخ محمد بن محمد سخاوی مصری ۲؎

ان حضرات کے علاوہ مکہ میں موجود دیگر بہت سے علماء و مشائخ سے شیخ علی نے استفادہ کیا۔

تلامذہ

شیخ علی متقی کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ سوانح نگاروں نے صرف چند نام لکھے ہیں:

۱۔ شیخ عبدالوہاب متقیؒ (م۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ئ): یہ شیخ علی کے خاص شاگرد، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) نے ان کی خدمت میں حاضری دی ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔

۲۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ (م ۹۸۶ھ/ ۱۵۷۸ء): یہ مشہور محدث اور لغت حدیث کی مشہور کتاب 'مجمع بحار الانوار' کے مصنف ہیں۔ یہ تحصیل علم کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں شیخ علی کی خدمت میں رہ کر ان سے خوب استفادہ کیا۔

۳۔ قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھیؒ (م ۹۵۵ھ/ ۱۵۴۸ء)

۴۔ شیخ رحمۃ اللہ بن عبد اللہ سندھیؒ (م ۹۹۳ھ/ ۱۵۸۵ء)

۵۔ شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ سندھیؒ (م ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۷ء) ۳؎

۶۔ شیخ چیلہؒ

۷۔ شیخ عبد الصمدؒ

اسفار

شیخ علی تحصیل علم کے لیے اپنے وطن برہان پور سے پہلے ملتان گئے، جہاں شیخ حسام الدین متقیؒ سے بیضاوی اور دیگر کتب کا درس لیا اور ان کی خدمت میں رہ کر راہِ سلوک طے کی۔ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے ملتان میں قیام کے دوران ان کا یہ معمول بیان کیا ہے:

> ''وہ گرد و نواح میں ایسے شہروں میں چلے جاتے جہاں آسانی سے عبادت کر سکتے تھے۔ ان کے ساتھ دو تھیلے ہوتے: ایک میں عام ضرورت کی چیزیں ہوتیں اور دوسرے میں قرآن مجید اور بعض ضروری کتابیں۔ وہ کسی سے خدمت لینا پسند نہ کرتے تھے۔ ۴؎

دو برس کے بعد ملتان سے واپس آ کر شیخ علی نے گجرات کے شہر احمد آباد میں قیام کیا۔ مغل حکم راں ہمایوں نے ۹۴۱ھ/ ۱۵۳۴ء میں گجرات پر حملہ کیا تو وہ وہاں سے ہجرت کر کے حجاز تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ میں مستقل قیام پذیر ہو گئے۔ ۵؎

شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ صاحب الطبقات الکبریٰ نے ۹۴۷ھ میں مکہ مکرمہ میں ان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے احوال تفصیل سے قلم بند کیے ہیں۔ ۶؎

علمی مجالس

شیخ علی متقی دینی علوم کے ماہر تھے اور تصوف میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کا بیش تر وقت درس و افادہ میں گزرتا تھا۔

گجرات کا حکم راں محمود شاہ دوم شیخ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کے دورِ حکم رانی میں ایک مرتبہ وہ گجرات تشریف لائے اور وہاں کچھ دن قیام کیا۔ محمود شاہ نے انھیں

انتظامِ ملکی کی کچھ ذمے داری سونپی، لیکن بہت جلد انھوں نے اس سے علیٰحدگی اختیار کرلی اور مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔ محمود شاہ نے مکہ مکرمہ میں اپنی رباط سے قریب شیخ علی متقی کی رہائش کے لیے مکان تعمیر کرایا تھا، جس کے سامنے ایک وسیع، کشادہ اور بڑا صحن تھا۔ اس کے کنارے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان میں شیخ کے مریدین اور وہ اصحاب جو سلوک وطریقت کی تعلیم و تربیت کے لیے آتے، قیام کرتے تھے۔ ۷؎

شیخ عبدالوہاب متقی نے ان کی علمی مجلسوں کا یہ حال بیان کیا ہے:

> ''ان کا زیادہ وقت علم کی نشر و اشاعت اور دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں صرف ہوتا۔ اگر مجلس درس میں حاضرین میں باہم کوئی باہم بحث چھڑ جاتی تب بھی وہ خاموش رہتے اور بلا ضرورت ایک فقرہ بھی زبان سے نہیں کہتے تھے۔ ہاں جب ضرورت محسوس کرتے تو بہ قدر ضرورت کچھ ارشاد فرما دیتے''۔ ۸؎

علم حدیث میں مہارت

علم حدیث سے شیخ علی متقیؒ کا اشتغال تا عمر قائم رہا۔ انھوں نے مکہ مکرمہ میں اکابر محدثین سے کسبِ فیض کیا۔ بعد میں بے شمار لوگوں نے ان کے درسِ حدیث میں شرکت کی اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ وہ کتبِ حدیث کا مطالعہ، مقابلہ اور تصحیح میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے اور اس فن کی باریکیوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان کے معاصرین اور شاگردوں کو کوئی حدیث سمجھنے میں دشواری پیش آتی، یا کوئی اشکال ہوتا تو ان سے رجوع کرتے اور تسلی بخش جواب پاتے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

> ''وہ سنن و احادیثِ نبوی کے تتبع میں آخر عمر تک مشغول رہے۔ بڑھاپے میں، جب کہ جنبش کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، وہ شب و روز کتب احادیث کی تالیف و تصحیح اور مقابلہ میں منہمک رہتے تھے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ دقائق کے فہم و معرفت اور معانی و نکات کے استنباط و استخراج میں اتنے بلند مرتبے پر فائز تھے کہ ماہرین اور علمائے فن بھی حیرت و تحسین ظاہر کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ شیخ ابن حجر مکیؒ کو، جن کا

شمار اپنے زمانے میں مکہ کے بڑے فقہاء و علماء میں ہوتا تھا اور وہ خود ابتدا میں شیخ علی متقیؒ کے استاد تھے، اگر کوئی حدیث سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو شیخ کے یہاں کہلا بھیجتے کہ جمع الجوامع کی ترتیب میں اس حدیث کو کس باب میں رکھا ہے؟ تاکہ اس نشان دہی کے بعد قرینہ و قیاس سے انھیں حدیث کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہو۔''۹؎

تصوّف

شیخ علیؒ کو ابتدائے عمر ہی سے تصوف سے مناسبت تھی، جو آخرِ عمر تک قائم رہی۔ ابھی وہ سات آٹھ برس کے تھے کہ ان کے والد انھیں برہان پور میں مقیم مشہور صوفی شاہ بہاء الدین عرف باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے اور ان کا مرید کرایا۔ ان کے انتقال کے بعد وہ ان کے صاحب زادے شیخ عبد الحکیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ اس کے بعد ملتان گئے اور وہاں شیخ حسام الدین ملتانی متقی کی صحبت اختیار کی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ ابوالحسن بکری اور شیخ محمد سخاوی سے سلسلۂ عالیہ قادریہ، شاذلیہ، مَدیَنِیّہ میں بیعت کی۔ ۱۰؎

سوانح نگاروں نے تصوف میں شیخ علی کے درجۂ کمال پر فائز ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

''اس زمانے کے تمام مشائخ اور اکابر علماء ان کے فضل و ولایت میں کمال کے معترف اور ان کی تعظیم و تکریم کی رعایت اور اعتراف میں متفق تھے۔''۱۱؎

آصفی نے بیان کیا ہے:

''وامامهم في وقته العابد الزاهد المتصوّف الأفقه'' ۱۲؎

(وہ اپنے زمانے کے امام، عابد و زاہد، صوفی اور فقیہ تھے۔)

تصوف میں امتیاز و کمال کے باوجود شیخ علی اس کی بہت سی خرابیوں سے محفوظ تھے۔ چنانچہ انھوں وحدۃ الوجود کے بارے میں افراط و تفریط پر مبنی خیالات کی اصلاح کی۔ ۱۳؎

وہ بڑے زاہد، متورع، متقی اور عبادت گزار شخص تھے۔ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ

سے انھیں خاص شغف تھا۔ ورع وتقویٰ، طہارت وعفّت ان کے مزاج میں داخل تھی۔ ۱۴؎

سوانح نگاروں نے ان کے اخلاق و کردار، زہد وورع، عبادت وریاضت، دنیا سے نفور اور بے رغبتی، خلوت پسندی اور عزلت گزینی، سخاوت و فیاضی، کسبِ حلال کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے اور بہت سے واقعات بھی درج کیے ہیں، لیکن یہاں انھیں نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ۱۵؎

کہا جاتا ہے کہ شیخ علی متقیؒ ایک زمانے میں فرقۂ مہدویہ سے متاثر ہو گئے تھے، لیکن یہ تاثر بہت جلد زائل ہو گیا۔ بعد میں انھوں نے اس کی مخالفت اور اس کے رد میں متعدد رسائل تصنیف کیے اور ظہورِ مہدی کی نشانیوں کی تفصیلات اور علمائے مکہ کے فتاویٰ درج کر کے اس کی تردید کی۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گجرات میں، جو مہدویت کا مرکز بن گیا تھا، یہ تحریک بالآخر ناکام ہوئی اور اسے اپنا مرکز دکن منتقل کرنا پڑا۔ ۱۶؎

اسی طرح ان کے زمانے میں شیخ محمد غوث گوالیاری نے اپنے 'رسالۂ معراجیہ' میں بعض بے بنیاد اور گم راہ کن دعاوی کیے تو شیخ علی نے ان کی زبردست مخالفت کی اور ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ ۱۷؎

تصوف سے متعلق شیخ کے افکار اور مساعی اس وقت زیر بحث نہیں ہیں۔

شیخ علی متقی کی وفات نوے (۹۰) برس کی عمر میں ۲/ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

تصانیف

شیخ علی متقیؒ نے درس وتدریس اور اصلاح وتربیت کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی خدمت انجام دی ہے۔ انھیں تصوف اور حدیث سے خاص مناسبت تھی۔ ان کی تصنیفات کا تعلق انہی فنون سے ہے۔ سوانح نگاروں نے ان کی کتابوں کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد بتائی ہے، لیکن زیادہ تر حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے:

"ان کی تصنیفات دیکھ کر عقل محوِ حیرت ہو جاتی ہے اور اس بات پر یقین

محکم ہو جاتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی خاص برکت اور توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ان کی بعض کتابیں سالکانِ طریقت اور طالبانِ آخرت کے لیے بیش قیمت سرمایہ اور ان کے حال کے لیے معاون و مددگار ہیں"۔ ۱۸؎

تصوف کے موضوع پر ان کی کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) تبیین الطریق الی اللہ تعالیٰ (۲) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم (۳) غایۃ الکمال فی بیان افضل الأعمال (۴) مجموعہ حکم کبیر (۵) الوسیلۃ الفاخرۃ فی سلطۃ الدنیا والآخرۃ (۶) البرھان الجلی فی معرفۃ الولی (۷) العنوان فی سلوک النسوان (۸) المواھب العلیۃ فی الجمع بین الحکم القرآنیۃ والحدیثیۃ (۹) تبویب الحکم العطاییۃ (۱۰) زاد الطالبین (۱۱) اسرار العارفین (۱۲) نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس (۱۳) فتح الجواد (۱۴) نظم الدرر (۱۵) ھدایۃ ربّی عند فقد المربّی (۱۶) خلاصہ الحقائق فی حکم الدقائق (۱۷) عمدۃ الوسائل (۱۸) الحکم العرفانیۃ فی معان ارشادیۃ واشارات قرآنیۃ۔

علمِ حدیث میں ان کی کتابوں کا تعارف ذیل میں کرایا جاتا ہے:

۱۔ البرھان فی علامات مھدی آخر الزمان

اس کتاب میں مہدی موعود سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ یہ اصلاً علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب '**العرف الوردی فی اخبار المھدی**' کی تلخیص اور تہذیب وتدوین ہے۔ (خود سیوطی کی کتاب ابونعیم کی کتاب 'الاربعین' کا خلاصہ ہے) مزید اس میں سیوطی کی کتابوں '**جمع الجوامع**' اور '**عقد الدرر فی أخبار المھدی المنتظر**' سے امام مہدی کے بارے میں احادیث کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بعض سوانح نگاروں نے اس کا نام '**تلخیص البیان فی علامات مھدی آخر الزمان**' بتایا ہے۔

۲۔ مختصر النہایۃ فی اللّغۃ

یہ علامہ ابن الاثیر الجزریؒ (م ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) کی لغاتِ حدیث پر مشہور تصنیف 'النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر' کی تلخیص ہے۔ بعض سوانح نگاروں نے اس کا نام 'مطلع الغایۃ فی اختصار النہایۃ' ذکر کیا ہے۔

۳۔ الفصول فی شرح جامع الأصول

۴۔ شمائل النبی ﷺ

۵۔ الأحادیث المتواترة

یہ کتاب علامہ سیوطی کی کتاب 'قطف الأزهار المتناثرة' کی تلخیص ہے۔

۶۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال

حدیث میں مذکورہ بالا کتب کے علاوہ شیخ علی متقیؒ کی متعدد تصانیف علامہ جلال الدین سیوطی کی بعض کتبِ حدیث کی تہذیب وترتیبِ نو پر مشتمل ہیں۔ ان سب کے مجموعے کو کنز العمال من سنن الأقوال و الأفعال کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس پر ذیل میں تفصیل سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے احادیثِ نبوی کا ایک ضخیم مجموعہ، جو صحاح ستہ اور مسانیدِ عشرہ پر مشتمل تھا، جمع الجوامع کے نام سے مرتب کیا تھا۔ (یہ جامع المسانید اور الجامع الکبیر کے نام سے بھی مشہور رہا)۔ اس کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں احادیث کو ماخذ اور راوی کے نام کے صراحت کے نام سے معجم کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ مسانیدِ صحابہ کے اعتبار سے مرتّب شدہ ہے۔ اس میں پہلے عشرۂ مبشرہ کی احادیث درج کی گئی ہیں۔ بعد میں باقی صحابہ کی احادیث ناموں اور کنیتوں کے لحاظ سے ذکر کی گئی ہیں۔ آخر میں مرسل حدیثیں منقول ہیں۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ قولی اور فعلی احادیث کو قسم الاقوال اور قسم الافعال کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ ہر حدیث کے آخر میں صحت، حسن اور ضعف کا بھی حکم لگایا گیا ہے۔

علامہ سیوطی کا ارادہ اس کتاب میں تمام احادیث جمع کرنے کا تھا۔ اس کام کے دوران ان کو محسوس ہوا کہ یہ خاصا دقّت طلب ہے۔ اس لیے انھوں نے ایک دوسری کتاب 'الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر' کے نام سے مرتب کی۔ یہ دراصل الجامع الکبیر کی تلخیص کے ساتھ اس کا تکملہ ہے۔ اس میں انھوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کا

اضافہ کیا ہے جو الجامع الکبیر میں شامل نہیں ہو سکی تھیں۔ اسے معجم کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں صرف قولی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں احادیث کی تعداد دس ہزار اکتیس (۱۰،۰۳۱) ہے۔

علامہ سیوطی کی تیسری کتاب 'الزوائد علی الجامع الصغیر' ہے۔ اس میں انھوں نے وہ قولی احادیث جمع کی ہیں جو الجامع الصغیر میں جمع ہونے سے رہ گئی تھیں۔۔ اس میں احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو چالیس (۴،۴۴۰) ہے۔

مذکورہ بالا تینوں کتابوں میں احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔

شیخ علی متقیؒ نے سب سے پہلے علامہ سیوطیؒ کی الجامع الصغیر اور الزوائد کو فقہی ابواب وفصول پر مرتب کیا اور اس کا نام 'منہج العمال فی سنن الاقوال' رکھا۔ اس میں احادیث کی تعداد چودہ ہزار چار سو اکہتّر (۱۴،۴۷۱) ہے۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے شیخ نے لکھا ہے:

> "الجامع الصغیر اور اس کا ضمیمہ وتکملہ چوں کہ قولی احادیث کا عمدہ، کارآمد اور جامع ذخیرہ ہے، اس لیے مجھے اس کی حدیثوں کو ابواب وفصول پر مرتب کرنے کا خیال ہوا۔ اس کی ترتیب بھی حروف تہجی کے مطابق جامع الاصول کے اسلوب پر کی ہے۔"[19]

اس کے بعد شیخ کو خیال آیا کہ اسی طرز پر علامہ سیوطی کی الجامع الصغیر کی قسم الاقوال کی بقیہ حدیثوں کو مرتب کر دینا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے یہ کام '**الاکمال لمنہج العمال**' نامی کتاب کے ذریعے انجام دیا۔

چوں کہ منہج العمال اور الاکمال دونوں میں قولی احادیث تھیں، اس لیے اگلے مرحلے میں شیخ نے ان دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا اور اس کا نام '**غایۃ العمّال فی سنن الأقوال**' رکھا۔

اس طرح شیخ علی متقیؒ نے جب علامہ سیوطیؒ کی کتابوں میں سے قسم الاقوال کی ترتیب کا کام مکمل کر دیا تو انھیں خیال آیا کہ اسی طرز پر قسم الافعال کو بھی ترتیب دینا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اس کا بیڑہ اٹھایا اور '**مستدرک الأقوال بسنن الأفعال**' کے نام سے

کتاب مرتب کردی۔ اس میں شامل احادیث کو بھی انھوں نے فقہی ابواب پر مرتب کیا۔

آخر میں شیخ متقی نے مزید سہولت اور فائدہ کے لیے دونوں قسموں (قسم الأقوال اور قسم الأفعال) کو پھر ایک کتاب میں جمع کردیا اور اس کا نام 'کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال' رکھا۔ یہ کتاب چھیالیس ہزار چھ سو چوبیس (۴۶،۶۲۴) احادیث کا مجموعہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ علامہ سیوطیؒ کی کتب جمع الجوامع، الجامع الصغیر اور الزوائد کی تہذیب وترتیب کا جو کام شیخ علی متقی نے مذکورہ بالا کتابوں کی صورت میں انجام دیا تھا، ان سب کو انھوں نے اپنی کتاب 'کنز العمال' میں جمع کردیا۔ چنانچہ انھوں نے خود لکھا ہے:

> ''پھر میں نے اپنی دونوں کتابوں 'غایة العمّال فی سنن الأقوال' اور 'مستدرک الأقوال بسنن الأفعال' کو ایک مجموعہ میں اکٹھا کردیا۔ مثلاً کتاب الایمان کو پہلے 'غایة العمال' سے لکھا، پھر اسے 'مستدرک الأقوال' سے بھی لکھا اور یہی روش کتاب کے آخر تک قائم اور باقی رہی۔ اس نئے مجموعہ کا نام 'کنز العمّال فی سنن الأقوال والأفعال رکھا۔'' ۲۰؎

شیخ علی متقیؒ نے کتاب کی ابتدا میں اپنے کام کا تعارف تفصیل سے کرایا ہے اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ''میں نے متعدد ائمہ فن کی کتابیں دیکھیں، لیکن ان میں سے کسی کتاب کو بھی سیوطی کی جمع الجوامع سے بہتر اور جامع نہیں پایا۔ انھوں نے صحاح ستہ اور دوسری کتابوں کی حدیثیں بہت عمدہ طریقہ پر جمع کی ہیں اور اس میں گوناگوں فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ کچھ بڑے اور اہم فوائد سے خالی رہ گئی تھی، جیسے اگر کسی شخص کو کسی حدیث کی تلاش ہو اور وہ اس کے مفہوم سے بھی واقف ہو، لیکن قولی حدیث کا سرا معلوم نہ ہو اور فعلی حدیث کے راوی کا علم نہ ہو تو اس وقت تک اس کے لیے اس کی تلاش بہت دشوار اور مشکل تھی۔ اگر کسی شخص کو بیوع یا نماز یا زکوٰۃ وغیرہ ابواب کی تمام حدیثوں کا احاطہ مقصود ہو اور وہ ان سے مطلع ہونا

چاہیے تو ایسا اس کے لیے اس وقت ممکن ہوگا جب وہ پوری کتاب کا ایک ایک ورق الٹے۔ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر دشوار، مشکل اور دقّت طلب امر ہے۔ ابواب، تراجم اور فصول وغیرہ کی حیثیت احادیث کی شرح جیسی ہوتی ہے، کیوں کہ بعض حدیثیں مجمل اور بعض مفصّل ہوتی ہیں، بعض میں حدیث کا قصہ مذکور ہوتا ہے اور بعض میں اس کا ذکر نہیں ہوتا، چنانچہ جب میں نے علامہ سیوطی کی کتاب کی جمع وترتیب کی تو مفصل کی توضیح ہوگئی اور جن حدیثوں کا قصہ وسبب ذکر تھا انھوں نے ان حدیثوں کی تبیین ووضاحت کردی جن میں قصہ مذکور نہیں تھا۔ انہی امور کو مدنظر رکھ کر میں نے جمع الجوامع کو مرتب ومبوّب کیا، تا کہ ان فوائد کو بھی ان میں قلم بند کردوں جن سے وہ خالی رہ گئی تھی۔'' ۲۱ ۔

شیخ علیؒ نے کنز العمال کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ کوئی چاہے تو الجامع الکبیر اور الجامع الصغیر کو علیٰحدہ علیٰحدہ کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ فاضل مرتب نے پہلے 'منہج العمال' کی احادیث ذکر کی ہیں، پھر الاکمال کی۔ انھوں نے فقہی ابواب کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ ہر باب میں پہلے قسم الاقوال کا تذکرہ کیا ہے، بعد میں قسم الافعال کا ۔کہیں کہیں اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ ذیل میں تمام ابواب کا تذکرہ کیا جاتا ہے، تا کہ کتاب کے مشتملات کا اندازہ ہوسکے:

الایمان والاسلام۔ الأذکار۔ الأخلاق۔ احیاء الموات۔ الاجارۃ۔ الایلائ۔ البیوع۔ التوبۃ۔ التفلیس۔ الجہاد۔ الجعالۃ۔ الحج والعمرۃ۔ الحدود۔ الحضانۃ۔ الحوالۃ۔ الخلافۃ مع الامارۃ۔ خلق العالم۔ الخلع۔ الدعویٰ۔ الدین والسلم۔ الذبح۔ الرضاع۔ الرھن۔ الزکاۃ۔ الزینۃ و التجمّل۔ السفر۔ السحر والعین والکھانۃ۔ الشفعۃ۔ الشھادات۔ الشرکۃ۔ الشمائل۔ الصلاۃ۔ الصوم۔ الصحبۃ۔ الصید۔ الصلح۔ الضیافۃ۔ الطھارۃ۔ الطلاق۔ الطب و الرقی و الطاعون۔ الطیرۃ والفأل و العدویٰ۔ الظھار۔ العلم۔ العتق۔ العاریۃ۔ العظمۃ۔ الغزوات و الوفود۔ الغصب۔ الفرائض۔ الفراسۃ۔ الفتن و الأھواء و الاختلاف۔ الفضائل۔ القیامۃ۔ القصاص والقتل و الدیۃ و القسامۃ۔ القصص۔

القراض و المضاربۃ۔ الکفالۃ۔ اللقطۃ۔ اللقیط۔ اللعان۔ اللھو و اللعب والتغنّی ۔ المعیشۃ و العادات۔ المز ارعۃ۔ المضاربۃ۔ الموت و اَحوال تقع بعدہ۔ المواعظ و الرقائق و الخطب و الحکم۔ النکاح۔ الوصیۃ۔ الودیعۃ۔ الوقف۔ الھبۃ۔ الھجر تین۔ الیمین۔

اہلِ علم کے درمیان 'کنز العمال' کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور انھوں نے اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ شیخ ابوالحسن بکریؒ کا قول ہے:

للسیوطی منۃ علی العالمین و للمتقی منۃ علیہ ۲۲ے

(سیوطی نے دنیا والوں پر احسان کیا ہے اور متقی نے سیوطی پر۔)

شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں:

"کتاب (کنز العمال) دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نے اتنا عظیم الشان کام کیسے حیرت انگیز طریقے پر انجام دیا ہے؟" ۲۳ے

کنز العمال کے ایڈیشن

کنز العمال کے ہندوستان اور عالم عرب میں متعدد ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔ چند اہم ایڈیشنز کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ اس کی اوّلین طباعت دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۳ھ تا ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۵ء تا ۱۸۹۷ء میں آٹھ جلدوں میں ہوئی۔

۲۔ وہیں سے اس کی طباعت دوم ۱۳۶۴ تا ۱۳۹۵ھ (۱۹۴۵ تا ۱۹۷۵ء) چھوٹی تقطیع میں بائیس (۲۲) جلدوں میں ہوئی۔

۳۔ ایک ایڈیشن مؤسسہ الرسالۃ بیروت کا ہے، جو شیخ بکری حیانی اور شیخ صفوۃ السقا کی تحقیق سے شائع ہوا ہے۔ اس کی اشاعت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں ہوئی تھی۔ یہ سولہ (۱۶) جلدوں پر مشتمل ہے۔

۴۔ دار احیاء التراث الاسلامی سے اس کی اشاعت ۱۹۹۰ء میں ہوئی ہے۔

۵۔ دار الکتب العلمیۃ، لبنان نے ۱۹۹۸ء میں اسے محمود عمر الدمیاطی کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۶۔ بیت الافکار الدولیۃ لبنان نے اسے بڑی تقطیع میں ایک جلد (۲۹۶۱/ صفحات) میں شائع کیا ہے۔ (اس کا طبع دوم ۲۰۰۵ء پیش نظر ہے) تمام احادیث پر نمبر ڈالے گئے ہیں۔ (کل ۴۶۶۲۴، ۶/ احادیث ہیں)۔ آخر میں فہارس تیار کی گئی ہیں: فہرست آیات قرآنی، فہرست احادیث و آثار بہ اعتبار حروف تہجی، فہرست مشتملات بہ ترتیب کتاب، فہرست مشتملات بہ ترتیب حروف تہجی۔

منتخب کنز العمال

شیخ علی متقیؒ نے 'کنز العمال' کو اس زمانے میں مرتّب کیا تھا جب ان کی عمر کافی ہو چکی تھی، لیکن ان میں خدمتِ حدیث کا جذبہ موج زن تھا۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ پھر خدمتِ حدیث کے میدان میں اترے اور کنز العمال کا خلاصہ تیار کیا، جو 'منتخب کنز العمال' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں انھوں نے زوائد و مکررات اور ہم معنیٰ احادیث حذف کر دیں۔ دوسرے قولی اور فعلی احادیث، جو 'کنز العمال' میں الگ الگ تھیں، انھیں یکجا کر دیا۔ اس طرح کتاب کا ایک تہائی حجم کم ہو گیا اور کتاب کی اہمیت بڑھ گئی۔ شیخ نے اپنے اس خلاصے کے تعارف میں لکھا ہے:

> ''میں نے ارادہ کیا کہ مکررات کو اس طرح حذف کر دوں کہ کوئی اہم، بنیادی اور معنیٰ خیز بات ترک نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد جب میں نے انتخاب و تلخیص کا کام شروع کیا تو تقریباً پندرہ ہزار حدیثیں حذف ہو گئیں، جو اصل کتاب کا ایک تہائی حصہ تھیں۔ اس طرزِ انتخاب کی وجہ سے یہ مجموعہ اصل کتاب یعنی 'کنز العمال' سے فائق اور بہتر ہو گیا ہے، کیوں کہ اس میں تکرار باقی نہیں رہی اور قولی و فعلی حدیثیں ساتھ ساتھ ہو گئی ہیں۔'' ۲۴؎

یہ کتاب مسند احمد، **المطبعۃ المیمنیۃ** مصر کے حاشیہ پر طبع ہو گئی ہے۔

کنز العمال کی اہمیت و افادیت کے ساتھ اس میں بعض نقائص بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اس کا ایک نقص یہ ہے کہ شیخ علی متقیؒ نے احادیث کی تخریج و تحقیق میں کلّی

طور پر علامہ سیوطیؒ پر اعتماد کیا ہے، ذاتی طور پر تحقیق وتخریج نہیں کی ہے۔ چنانچہ اس میں بہت سی ضعیف حدیثیں بھی ہیں۔ اس کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس میں بعض احادیث کی تخریج غیر معروف اور کم درجے کی کتبِ احادیث سے کی گئی ہے، جب کہ وہ احادیث مشہور اور صحت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ ابواب کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دینے کے معاملے میں صرف پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ما بعد حروف کی راعایت نہیں کی گئی ہے۔ مثلاً التوبۃ پہلے ہے، التفلیس بعد میں ہے۔ الجہاد پہلے ہے، الجعالۃ بعد میں ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ محاضراتِ حدیث، محمود احمد غازی، اریب پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۴۱۹

۲۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۱، مآثر الکرام، ۱/ ۱۹۳، علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ، شاہد حسین رزاقی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص ۲۶۶)

۳۔ علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ، ص ۲۶۹۔ ۲۷۰ ۴۔ اخبار الاخیار، ص ۲۳۴۔ ۲۴۴

۵۔ رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۳، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع ۱۹۸۵ء، ۱۸/ ۵۰۵، علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ، ص ۲۶۶

۶۔ الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۱۶۷ ۷۔ ظفر الوالہ، ۳۱۶

۸۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۵ ۹۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۲

۱۰۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۲ ۱۱۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۲

۱۲۔ ظفر الوالہ، ۱/ ۳۱۵ ۱۳۔ رود کوثر، ۳۵۳۔ ۳۵۴

۱۴۔ تذکرۃ المحدثین، ۳/ ۱۰

۱۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تذکرۃ المحدثین، ۳/ ۱۰۰۔ ۱۲۳

۱۶۔ رود کوثر، ص ۳۵۴ ۱۷۔ تذکرۃ المحدثین، ۳/ ۱۱۰

۱۸۔ اخبار الاخبار، ص ۲۴۲ ۱۹۔ کنز العمال

۲۰۔ منتخب کنز العمال، برحاشیہ مسند احمد، ۱/ ۵ ۲۱۔ منتخب کنز العمال، ۱/ ۳۔ ۵

۲۲۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۲ ۲۳۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۲

۲۴۔ منتخب کنز العمال، ۱/ ۶۔ ۷

نقدو استدراک

حافظ غلام سرور اور ان کا انگریزی ترجمۂ قرآن

(پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے ملاحظات پر ایک نظر)

——— ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری

حال میں پروفیسر عبد الرحیم قدوائی کی کتاب 'مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن' (سنۂ اشاعت ۲۰۱۵ء، صفحات ۱۲۸) نظر نواز ہوئی۔ یہ اصلاً ڈاکٹر قدوائی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ششماہی علوم القرآن علی گڑھ، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ اور سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ میں شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں پروفیسر اختر الواسع (پ ۱۹۵۱ء) نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔

اس کتاب میں پروفیسر قدوائی (پ ۱۹۵۶ء) نے دنیا بھر میں شائع ہونے والے تراجم قرآن کریم کے بارے میں جو دادِ تحقیق دی ہے وہ بے نظیر ہے۔ انھوں نے دنیا کے کسی بھی گوشے میں طبع ہونے والے انگریزی تراجم قرآن کریم کو ان کے محاسن و معایب سمیت ضبط کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور کام یاب رہے۔ آج اس میدان میں ان کی خدمات سب سے نمایاں ہیں۔ اس موضوع پر بڑے بڑے ماہرین ان کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔

اس کتاب کی خوبیاں اپنی جگہ مسلّم ہیں، البتہ اس مقالے میں اس کے کچھ قابل توجہ پہلوؤں کی نشان دہی کی جا رہی ہے تا کہ مستقبل کی اشاعتوں میں ان کی تصحیح ہو سکے:

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کو علوم القرآن کی کتب میں 'توقیفی' کہا گیا ہے،

لیکن پروفیسر قدوائی کی زیرنظر کتاب میں اسے بالالتزام 'توفیقی' لکھا گیا ہے۔(ص ۱۲ پر دو جگہ، ص ۱۹ پر ایک جگہ، ص ۲۳ پر ایک جگہ اور ص ۶۰ پر ایک جگہ۔)

ایک انگریزی مترجم قرآن کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر قدوائی فرماتے ہیں:

> ''تیسرا ابتدائی ترجمہ غلام سرور (۱۸۷۳-۱۹۲۹ء اندازاً) کا ہے، جو ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ کیمبرج یونی ورسٹی، انگلستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ ملایا (موجودہ ملیشیا) کی انتظامیہ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ اپنے پیش رووں کے برخلاف ان کا مطالعہ وسیع اور انگریزی زبان و بیان پر قدرت اعلیٰ معیار کی تھی۔ اپنے مقدمے میں شرح و بسط کے ساتھ انہوں نے مستشرقین کے تراجم کا محاکمہ کیا ہے، جو کہ علمی اور فکری حیثیت سے قابل داد ہے، البتہ ان کے تفسیری حواشی برائے نام ہیں، جن کے باعث اس تصنیف میں متن قرآن مجید کے حوالے سے کہیں ان کے قادیانی مزعومات کا اثبات یا دفاع نہیں ملتا۔ البتہ اپنے مقدمے میں غلام سرور نے اپنے ہم عصر قادیانی مترجمِ قرآن مجید محمد علی کے تئیں غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کی تصنیف کے ایسے محاسن بیان کیے ہیں جو واقعتاً اس میں موجود ہی نہیں۔ مزید برآں انہوں نے محمد علی کے قادیانی مزعومات سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، جو کہ ایک ناقابل توجیہ معمّہ ہے۔''
>
> (مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن، ص ۳۳)

ذیل میں پروفیسر صاحب کے بیان کردہ نکات پر ایک ایک کر کے گفتگو کی جائے گی۔

مترجم کا نام

قدوائی صاحب نے مترجم کا نام دو سطور میں چار مرتبہ غلام سرور ہی لکھا ہے۔ اصول یہ ہے کہ کسی بھی مصنف، مؤلف یا مترجم کا وہی نام لکھنا چاہیے جو اس نے اپنی تصنیف، تالیف یا ترجمے پر لکھا ہو۔ الحاج حافظ غلام سرور کے ترجمۂ قرآن کی دو

طباعتیں راقم کے سامنے ہیں، جن میں ترجمۂ قرآن کا عنوان بہ ایں الفاظ درج کیا ہے:

> Translation of the Holy Qur'an, from the Original Arabic Text with Critical Essays, Life of Muhammad, Complete Summary of Contents.

اس پہلی اشاعت پر مترجم کا نام Al Haj Hafiz Ghulam Sarwar لکھا ہے۔ پہلی اشاعت پر تاریخِ اشاعت درج نہیں ہے، لیکن دوسری اشاعت پاکستان سے ہوئی اور اس پر سالِ اشاعت ۱۹۷۳ء درج ہے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی اشاعت، جو دراصل Reprint کے بعد دوسری اشاعت ہے، اس پر بھی مترجم کا نام الحاج حافظ غلام سرور ہی درج ہے۔ صرف غلام سرور نام لکھنے سے التباس ہوتا ہے کہ جیسے 'غلام سرور' ایک اور 'الحاج حافظ غلام سرور' کوئی دوسری شخصیت ہے۔

مترجم کا دورِ حیات

حافظ غلام سرور کے دورِ حیات سے متعلق قدوائی صاحب اپنا قیاس یوں ظاہر کرتے ہیں:

''غلام سرور (۱۸۷۳۔۱۹۲۹ء اندازاً)'' یہ درست ہے کہ حافظ صاحب کے ۱۹۲۹ء تک حیات ہونے کی باقاعدہ شہادتیں موجود ہیں، لیکن اس بات کی کوئی شہادت ابھی تک دست یاب نہیں ہوسکی کہ آپ ۱۹۲۹ء میں ہی راہی ملک عدم ہو گئے تھے۔ ایک اندرونی شہادت ملاحظہ ہو: الحاج حافظ غلام سرور اپنے ترجمۂ قرآن کے تعارف Introduction, A Review of the Previous Translations of the Holy Qur'an میں جارج سیل کے ترجمۂ قرآن سے اپنے پہلے تعارف کو یاد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "Iset my eyes upon it in January 1887 (nearly forty one years ago)...I was then

in my fourteenth year of life.”(P.xxxiv)

درج بالا بیان سے مستنبط ہونے والے نکات یہ ہیں:

۱۔جنوری ۱۸۸۷ء میں حافظ غلام سرور نے پہلی مرتبہ جارج سیل کا ترجمہ قرآن دیکھا۔

۲۔یہ تحریر ۱۸۸۷ء سے اکتالیس (۴۱) سال بعد لکھی گئی۔

۳۔حافظ غلام سرور کی عمر ۱۸۸۷ء میں چودہ (۱۴) سال تھی۔

اب ۱۸۸۷ء میں سے ۱۴ر کو منہا کریں تو ۱۸۷۳ء سامنے آتا ہے، یعنی حافظ صاحب کا سال پیدائش ۱۸۷۳ء ہوا۔زیر بحث تحریر ۱۸۸۷ء کے ا ۴ر سال بعد لکھی گئی۔اب ۱۸۸۷ میں ۴۱ جمع کریں تو حاصل جمع ۱۹۲۸ء آتا ہے۔

اسی Introduction میں ایک اور جگہ آپ زیر بحث تحریر کا سال اور مہینہ بھی سپرد قلم کر دیتے ہیں۔اپنے قرآنی مطالعے و تحقیق پر روشنی ڈالتے ہوئے حافظ صاحب لکھتے ہیں:

> “…From 1901till now (December 1927) I have been collating the verses of the Holy Qur’an so as to be able to understand the meanings of the words used in the Holy Qur’an from a study of the Book itself.”(P.xlvii)

> (۱۹۰۱.....ء سے اب دسمبر ۱۹۲۷ء تک میں قرآنی آیات (کے مفاہیم) کا تقابل کرتا رہا، تا کہ قرآن کریم میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی خود قرآن کریم کے مطالعے سے سمجھنے کے قابل ہوسکوں)۔

حافظ صاحب کی درج بالا تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں وہ اپنی تصنیف کے آخری مرحلے میں Introduction لکھنے میں مصروف تھے۔یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ دسمبر سے مراد اس مہینے کا آخری عشرہ ہوگا کہ ان دنوں سلطنتِ برطانیہ کے

تمام حصوں کے سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ لکھنے پڑھنے والے لوگ ان چھٹیوں میں اپنے تحریری کاموں پر توجہ دے رہے ہوں گے۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں کام مکمل کر کے چھٹیوں کے بعد ٹائپ کرنے والے نے کام شروع کیا تو پہلا، دوسرا، تیسرا مسودہ اور مبیضہ ہاتھ میں آتے آتے کچھ ماہ کا عرصہ صرف ہوا ہوگا۔ پریس میں جانے، چھپنے اور جلدیں بننے میں مزید کچھ عرصہ دے دیا جائے تو حافظ صاحب کے ترجمۂ قرآن کو قارئین، محققین اور قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچتے پہنچتے ۱۹۲۹ء کا سال آجانا یقینی ہے۔ پروفیسر قدوائی نے حافظ صاحب کے ترجمہ کی اشاعت کا سال ۱۹۲۰ء قرار دیا ہے۔ اسے تصحیحِ اغلاط کے مرحلے میں نظر انداز ہوجانے والی غلطی مانا جاسکتا تھا، اگر اسی کتاب کی 'فہرست انگریزی تراجم قرآن مجید' (زمانی ترتیب کے لحاظ سے) (ص ۱۰۷) میں بھی ۱۹۲۰ء کو اسی التزام سے نہ لکھا گیا ہوتا۔

دورِ حیات کی بات درمیان میں رہ گئی۔ حافظ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے ٹائٹل صفحہ پر درج ہے کہ ۱۹۲۸ء تک آپ سنگاپور میں برسرِ کار تھے۔ قدوائی صاحب نے غلام سرور (الحاج حافظ غلام سرور) کا دورِ حیات اندازاً ۱۸۷۳ء سے ۱۹۲۹ء تک لکھا ہے۔ اس اندازے کی بنیاد پر کوئی فرد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ۱۹۲۹ء میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں گے۔ کچھ شہادتوں کی بنیاد پر راقم نے حافظ صاحب کی وفات کا سال ۱۹۳۸ء متعین کیا ہے۔ اس لیے کہ ماہ نامہ Islamic Review, Woking میں ۱۹۳۸ء تک ایڈیٹر کے نام آپ کے خطوط، آپ کے انگریزی ترجمۂ قرآن اور سیرت پر آپ کے مضامین کے مجموعے : THE HOLY PROPHET MUHAMMAD کے اشتہارات نظر نواز ہوتے ہیں۔

حافظ صاحب کے ۱۹۳۵ء تک زندہ ہونے کی ایک ٹھوس شہادت یوں دست یاب ہوئی کہ سیرت پر آپ کی محولہ بالا کتاب کے مقدمہ (PREFACE) میں آپ اپنے جن مصادر و مراجع کا ذکر کرتے ہیں ان میں ایک مصری محقق محمد حسین ہیکل (۱۸۸۸-۱۹۵۶ئ) کی 'حیات محمد' کے ۱۹۳۵ء والا ایڈیشن ہے۔ اس سے یہ حقیقت تو

کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حافظ غلام سرور ۱۹۳۵ء تک بہ قید حیات تھے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ ۱۹۳۵ء میں شائع شدہ کتاب سے کسب فیض کرکے ایک نئی کتاب لکھنے، مدوّن کرنے اور شائع کرنے میں ایک دو برس کا وقت صرف ہوجانا معمول کی بات ہے۔ حافظ صاحب رقم طراز ہیں:

> ''New light has been thrown on the Prophet's life by the Arabic Commentaries of the Qur'an lately published in Egypt and espeicially by 'The Life of Muhammad' in Arabic by Muhammad Hussain Haikal published in 1935.''(P.ix)

> (حال ہی میں مصر سے عربی زبان میں شائع ہونے والی قرآنی تفاسیر میں نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ پر نئی روشنی ڈالی گئی ہے اور خاص طور پر ۱۹۳۵ء میں شائع ہونے والی محمد حسین ہیکل کی عربی زبان میں شائع ہونے والی 'حیات محمدؐ' میں حیاتِ پاک پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔)

ایک اور شہادت کے مطابق حافظ غلام سرور ۱۹۳۸ء میں بھی باحیات تھے۔ آپ کی ایک کتاب:Philosophy of the Qur'an ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ آپ نے چھ صفحات پر مشتمل اس کا ایک پیش لفظ (FOREWORD) لکھا۔ اس کے اختتام پر آپ کے نام H.G.Sarwar کے ساتھ 20th June 1938, Lahore درج ہے۔ اس تحریر سے آپ کا ۱۹۳۸ء کے چھٹے مہینے جون تک زندہ ہونے کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔(P.xvi)

مترجم کا پیشہ

قدوائی صاحب رقم طراز ہیں:

> ''کیمبرج یونی ورسٹی، انگلستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ ملایا (موجودہ ملیشیا) کی انتظامیہ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔''

تمام اہل علم جانتے ہیں کہ کسی بھی حکومت کے تین بڑے شعبے قرار دیے جاتے ہیں: (۱) مقننہ (۲) انتظامیہ (۳) عدلیہ۔ مقننہ میں قانون سازی کرنے والے عوامی نمائندے، انتظامیہ میں حکومتی نظام کو چلانے والے ملازمین (Civil Servants) اور عدلیہ میں ججز اور متعلقہ عملہ شامل ہوتا ہے۔ قدوائی صاحب نے حافظ صاحب کو صرف 'انتظامیہ کے اعلیٰ منصب پر فایز' بتایا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ الحاج حافظ غلام سرور انتظامیہ کے ملازم کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک قانون دان اور جج کی حیثیت سے ملاین سول سروس کے (ملازم نہیں) ممبر تھے۔ حافظ صاحب ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک سنگاپور کے سول ڈسٹرکٹ جج کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ آپ اپنے ترجمۂ قرآن کے ٹائٹل صفحہ پر اپنا تعارف یوں کراتے ہیں:

> "AL-HAJ HAFIZ GHULAM SARWAR M.A. (Punjab 1894), B.A. (Cantab 1897); Indian Gilchrist Scholar 1894—1897; Imperial Institute Modern Languages Scholar (Arabic) 1896—1900; Member of the Malayan Civil Service 1896—1928; Mufti of Penang; Civil District Judge, Singapore (1923—1928)
>
> (الحاج حافظ غلام سرور: ایم۔اے۔ (پنجاب ۱۸۹۴ء) بی۔اے۔ (کیمبرج ۱۸۹۷): انڈین گلکرسٹ اسکالر ۱۸۹۴۔۱۸۹۷ء: امپیریل انسٹیٹیوٹ ماڈرن لینگویجز اسکالر (عربی) ۱۸۹۶۔۱۹۰۰: ممبر آف دی ملاین سول سروس ۱۸۹۶۔۱۹۲۸: پے ننگ کے مفتی، سنگاپور کے سول ڈسٹرکٹ جج (۱۹۲۳۔۱۹۲۸)۔

درج بالا تحریر سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ حافظ غلام سرور ملا ین سول سروس کے رکن، پے ننگ کے مفتی اور سنگاپور کے سول ڈسٹرکٹ جج کے عہدے

پر فائز رہے، لیکن وہ ملایا میں کسی انتظامی عہدے پر کبھی فائز نہیں رہے۔

تفسیری حواشی

قدوائی صاحب فرماتے ہیں:

”ان کے تفسیری حواشی برائے نام ہیں۔“

قدوائی صاحب نے نہ جانے کس چیز کو تفسیری حواشی قرار دیا ہے اور پھر اسے برائے نام بھی کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹائٹل صفحہ سے صفحہ ۳۷۷ تک پڑھ جائیے، آپ کو تفسیری حواشی نام کی ایک سطر بھی نہیں ملے گی۔ راقم طول کلامی سے بچنا چاہتا ہے، لیکن اگر الحاج حافظ غلام سرور کے ترجمہ قرآن کریم کا ایک عمومی تعارف نہ کرایا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ آپ کے ترجمہ قرآن کے ٹائیٹل صفحے کے بعد:

۱۔ ایک صفحہ VI(6) Contents کے لیے مخصوص ہے۔

۲۔ پھر صفحہ (7)VII سے (49)XLIX تک Introduction ہے۔

۳۔ صفحہ (50)L سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے حوالے سے دو مضامین شروع ہوتے ہیں:

Two Essays on the Life of he Holy Prophet Muhammad (peace be upon him)

۴۔ سیرت پر پہلا مضمون صفحہ (59)LIX پر مکمل ہوتا ہے۔

۵۔ اسی صفحے سے سیرت پر دوسرا مضمون شروع ہو کر صفحہ (70)LXX پر مکمل ہوتا ہے۔

۶۔ اسی صفحے سے 'قاری کے لیے وضاحت' شروع ہوتی ہے، جو صفحہ (72) LXXII پر مکمل ہوجاتی ہے۔

7. A Summary of the Contents of the Holy Qura'n Chapter by Chapter and Section by Section.

صفحہ (73)LXXIII سے شروع ہو کر صفحہ CXVIII(118) پر مکمل ہوتی ہے۔

اگر قدوائی صاحب نے اس سمری کو تفسیری حواشی کا نام دیا ہے تو یہ بقول قدوائی صاحب 'نہ ہونے کے برابر' نہیں ہیں، پینتالیس (۴۵) صفحات پر مشتمل ہیں۔ مذکورہ بالا ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) صفحات کے بعد، جن کا شمار رومن گنتی میں کیا گیا ہے، صفحہ نمبر ایک سے ترجمۂ قرآن کریم شروع ہوتا ہے، جو صفحہ تین سو ستتّر (۳۷۷) پر اپنی پوری شان کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ ان صفحات میں تفسیری حواشی نام کی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔

قادیانی مترجم محمد علی لاہوری سے عقیدت کا اظہار

پروفیسر قدوائی الحاج حافظ غلام سرور پر تنقید کرتے ہوئے ایک نکتہ یہ بیان کرتے ہیں:

> "غلام سرور نے اپنے ہم عصر قادیانی مترجم قرآن مجید محمد علی کے تئیں غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کی تصنیف کے ایسے محاسن بیان کیے ہیں جو واقعتاً اس میں موجود نہیں۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا سطور میں جناب قدوائی کچھ یک طرفہ یا یک رُخی بات ارشاد فرما رہے ہیں۔ ایک محمد علی لاہوری پر ہی کیا موقوف، تعریفی جملے تو حافظ صاحب نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والے مغربی مترجمین جارج سیل (۱۶۹۷۔۱۷۳۶ء)، راڈویل (۱۸۰۸۔۱۹۰۰ء) اور پالمر (۱۸۴۰۔ ۱۸۸۲ء) کے لیے بھی لکھے ہیں۔ ہم عصر، کالج فیلو اور کلاس فیلو ہونے کے ناطے حافظ صاحب نے محمد علی لاہوری کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار ضرور کیا ہے، لیکن اس کے ترجمۂ قرآن کے کم زور پہلوؤں سے صرف نظر بھی نہیں کیا۔ محمد علی لاہوری کی کم زور انگریزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ صاحب رقم طراز ہیں:

> "There is only one thing with which I am not satisfied, and that is the construction of a great many passages in the body of the

translation... the English in scores of passages in the body of the translation has very poor construction and is left hanging in mid-air, or is so involved as to be unintelligible without unduly prolonged consideration. And the pity of it is that it could have been easily put into proper shape."(P. xxxvii)

(صرف ایک چیز جس سے میں مطمئن نہیں ہوں، وہ ہے ترجمۂ قرآن میں بے شمار اقتباسات کی ساخت۔ ترجمۂ قرآن میں بہت سے اقتباسات کی انگریزی زبان کا معیار بہت کم زور ہے اور ان کے مطالب ہوا میں معلّق رہ جاتے ہیں، یا اتنی عدم توجہی سے (ترجمہ) کیے گئے ہیں کہ غیر ضروری طور پر طویل غور وفکر کے بغیر سمجھ سے بالاتر رہتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ انہیں آسانی سے مناسب شکل وصورت میں لایا جاسکتا تھا۔)

محمد علی لاہوری کے ترجمۂ قرآن کو مغلق اور غیر سلیس قرار دیتے ہوئے احمدیوں میں محمد علی کے مرتبے اور اپنی پرانی شناسائی اور دوستی کے باوجود ایک جگہ حافظ صاحب یوں تنقید کرتے ہیں:

"Those who know Arabic can easily understand what Maulvi Muhammad Ali means but the translation is generally intended, or ought to be intended, for those who are not masters of Arabic. It pains me to pointout this shortcoming, but truth is no respecter of authority and friendship."
(P.xxxvii)

(وہ جو عربی جانتے ہیں بہ آسانی مولوی محمد علی کا ترجمہ سمجھ سکتے ہیں، لیکن قرآن کریم کا ترجمہ عام طور پر ان لوگوں کے لیے کیا جاتا ہے،

یا کیا جانا چاہیے جو عربی زبان کے ماہر نہیں ہوتے۔ اس کمی کی طرف اشارہ کرنا میرے لیے تکلیف کا باعث ہے، لیکن سچائی کسی کے اختیار اور دوستی کا لحاظ نہیں کرتی۔)

حافظ غلام سرور کا تنقیدی نشتر اتنی گہرائی تک چلتا ہے کہ لاہوری کے مصادر و مراجع بھی حافظ صاحب کی تنقید سے نہیں بچ پائے۔ ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ـ ۱۸۷۶ئ) کی عربی انگلش لغت (An Arabic English Lexicon) لاہوری کے ترجمۂ قرآن کا بہت بڑا مصدر و مرجع ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل آیت، محمد علی کے قلم سے اس کا ترجمہ اور اس پر حافظ غلام سرور کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

وَ لَا تَجعَلُوا اللّٰہَ عُرضَۃً لِّاَیمَانِکُم اَن تَبَرُّوا وَ تَتَّقُوا وَ تُصلِحُوا بَینَ النَّاسِ وَ اللّٰہُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ (البقرۃ:۲۲۴)

"And make not Allah by your oaths a hindrance to your doing good and keeping your duty and making peace between men. And Allah is Hearing, Knowing" (P.95)

سورۃ البقرۃ کی اس آیت کے حوالے سے حافظ صاحب دونوں کے علمی مقام کو ایک ہی سطر میں اس طرح نمایاں کرتے ہیں:

"Maulvi Muhammad Ali has apparently followed Lane's Lexicon where the translation of this verse is given at great length, but it seems to me even Lane has confused rather than cleared the meaning." (P.xxxviii)

(مولوی محمد علی نے ظاہری طور پر لین کی لغت کی پیروی کی ہے جہاں اس آیت کا ترجمہ کافی حد تک درست دینے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ لین نے اس کے معانی کو واضح کرنے کے بجائے مبہم بنا دیا ہے)۔

سورۃ النحل کی آیت کا متن اور محمد علی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

مَن كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكرِهَ وَ قَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَ لٰكِن مَّن شَرَحَ بِالكُفرِ صَدرًا فَعَلَيهِم غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل:۱۰۶)

"Whoso disbelieves in Allah after his belief ——not he who is compelled while his heart is content with faith, but he who opens (his) breast for disbelief —— on them is the wrath of Allah, and for them is a grievous Chastisement" (P.538)

اس ترجمے پر حافظ صاحب کا تبصرہ تنقید کے ساتھ ادبی چاشنی کا بھی حامل ہے:

"The pronouns in this verse, according to Maulvi Muhammad Ali are":He who... his, he who his...he who...(his)...these...they". The final'they'breaks the camel's back:the camel being the poor reader not Maulvi Muhammad Ali." (P.XL)

(مولوی محمد علی کے مطابق اس آیت میں ضمائر یہ ہیں: وہ جو۔۔۔اس کا، وہ جو اس کا۔۔۔ وہ جو۔۔۔(اس کا)۔۔۔ یہ۔۔۔وہ۔ بالکل آخری 'وہ' اونٹ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ یہاں اونٹ سے مراد مولوی محمد علی نہیں، بے چارہ قاری ہے۔)

محمد علی لاہوری کے سورۃ النحل کی آیت ۶۰ کے ترجمے پر تنقید انگریزی محاورہ کے حوالے سے ہے۔ ملاحظہ ہو:

لِلَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوءِ وَ لِلّٰهِ المَثَلُ الاَعلٰى وَ هُوَ العَزِيزُ الحَكِيمُ (النحل:۶۰)

"For those who believe not in the Hereafter

are evil attributes and Allah's are the sublime attributes. And He is the Mighty, the Wise."(P.528)

سورۃ النحل کی اس آیت کا ترجمہ حافظ غلام سرور کے مطابق محمد علی لاہوری کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی پوری نمائندگی کرتا ہے کہ اس میں محاوراتی حوالے سے وہ سب کمزوریاں موجود ہیں جو لاہوری کے ترجمہ میں جگہ جگہ دہرائی جاتی ہیں، جیسا کہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

"Similar mistakes of idiom are quite frequent in Maulvi Muhammad Ali's translation."(P.XL)

(محاوراتی حوالے سے اسی طرح کی غلطیاں مولوی محمد علی کے ترجمے میں بار بار آتی ہیں)۔

سورۃ القصص کی آیت ۴۷ کا محمد علی لاہوری کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

وَ لَو لَا اَن تُصِیبَهُم مُصِیبَۃٌ بِمَا قَدَّمَت اَیدِیهِم فَیَقُولُوا رَبَّنَا لَو لَا اَرسَلتَ اِلَینَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَ نَکُونَ مِنَ المُؤمِنِینَ

(القصص: ۴۷)

"And lest, if a disaster should befall them for what their hands have sent before, they should say :Our Lord, why didst Thou not send to us a messenger so that we might have followed Thy messages and been of the believers?"(P.752)

اس پر حافظ صاحب کا تبصرہ پڑھنے کے لائق ہے:

"The awkwardness of Maulvi Muhammad Ali's translation becomes apparent."(P.XL)

(مولوی محمد علی کے ترجمے کا بھدّا پن عیاں ہو جاتا ہے)۔

پروفیسر قدوائی صاحب کی خدمت میں دست بستہ عرض ہے کہ کسی کی زندگی

بھر کی محنت کو بھدّ ا قرار دینے والا عقیدت نہیں، تنقید کا اظہار کر رہا ہے۔

سورۃ العنکبوت کی آیت ٦٦ کا متن اور لاہوری کا ترجمہ یوں ہے:

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنٰهُمْ وَ لِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

(العنکبوت:٦٦)

"That they may be ungrateful for what We have given them, and that they may enjoy. But they shall soon know."(P.737)

اس ترجمے پر حافظ صاحب کا درج ذیل تبصرہ عقیدت کے زمرے میں بالکل نہیں آتا:

"The sense of the original and the English are both gone astray... The translation is wrong because the verbs are not properly correlated."(P.XI-XLI)

(اصل کا فہم اور انگریزی زبان دونوں بھٹک گئے۔۔۔ترجمہ اس لیے غلط ہے کہ افعال کو آپس میں مربوط نہیں کیا گیا۔)

حافظ غلام سرور نے لاہوری کے ترجمے پر تنقید کا ایک لطیف زاویہ بھی نمایاں کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد علی لاہوری نے پورے قرآن کریم کے ترجمے میں اللہ تعالیٰ کے لیے واحد مذکر حاضر کا صیغہ 'تم' کو Thou اور دیگر کے لیے You سے تعبیر کیا ہے۔ سورۃ ص کی آیت ۷۵ کے آخری حصے کے ترجمے میں لاہوری کا قلم پھسل گیا اور اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ کا ترجمہ یوں کیا:

"Art thou proud or art thou of the exalted ones?"(P.877)

لاہوری کی اس بھول پر چٹکی لیتے ہوئے حافظ صاحب رقم طراز ہیں:

"Satan is always proud and he may be very proud of this slip of the pen on the part of Maulvi Muhammad Ali."(P.XLI)

(شیطان ہمیشہ سے بہت گھمنڈی ہے۔ ہوسکتا ہے مولوی محمد علی کے قلم کی اس لغزش پر اس نے بہت زیادہ فخر وانبساط محسوس کیا ہو۔)

حافظ صاحب نے لاہوری کے ترجمے کو پھیکا اور یک رخا قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"A translator... should not be content with the monotonous style of Maulvi Muhammad Ali" (P.XLII)

(ایک مترجم کو مولوی محمد علی کے بے کیف انداز پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔)

سورۃ البقرۃ آیت ۵۴: فَاقْتُلُوٓا اَنۡفُسَكُم کے محمد علی لاہوری کے ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ غلام سرور نے اسے خام ترجمہ قرار دیا ہے:

"the words 'Faqtolu anfusakum' are rendered, even by Maulvi Muhammad Ali, as 'So kill your people' his translation seems to me to be too crude to agree with the text." (P.XLVII)

(فاقتلوا انفسکم کے الفاظ کا ترجمہ مولوی محمد علی نے یوں کیا: "تو اپنے لوگوں کو قتل کرو"۔ میرے خیال کے مطابق یہ ترجمہ بہت بے ڈھنگا اور متن سے بہت دور ہے)۔

الحاج حافظ غلام سرور کا ترجمۂ قرآن ۱۹۲۹ء میں سامنے آیا تو اس کا مقدمہ، جو دراصل (A Review of the Previous Translations of the Holy Qur'an) قرآن کریم کے سابقہ انگریزی تراجم کے جائزے پر مشتمل ہے، اس میں حافظ صاحب نے دوسرے مترجمین کے ساتھ مولوی محمد علی لاہوری احمدی کے ترجمے کا بھی ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ جارج سیل (۱۶۹۷۔۱۷۳۶ئ) راڈویل (۱۸۰۸۔۱۹۰۰ئ) اور پالمر (۱۸۴۰۔۱۸۸۲ئ) تو ۱۹۲۹ء میں حیات نہیں تھے کہ وہ حافظ صاحب کی آراء کے مطابق اپنے تراجم قرآن کا جائزہ لیتے اور تسامحات سے انھیں پاک کرتے۔ محمد علی لاہوری اس معاملے میں خوش قسمت رہے کہ ۱۹۲۹ء میں وہ اچھی صحت کے ساتھ بقید

حیات تھے۔ اپنی موت سے پہلے ۱۹۵۱ء میں محمد علی کو اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن پر نظرثانی کا موقع ملا۔ یہ نظرثانی شدہ ترجمہ طبع ہوا تو حافظ غلام سرور کی تنقیدات کی روشنی میں بہت سی اصلاحات سامنے آئیں۔ نظرثانی شدہ ایڈیشن میں Kill your people کو Kill your Passions (P.26) سے بدل دیا گیا ہے اوراس پر ایک تفصیلی نوٹ بھی حوالۂ قرطاس کیا گیا ہے۔ (P.26-27)

پروفیسر قدوائی نے دو جگہ شیخ الہند کا نام 'محمود الحسن' لکھا ہے۔ (ص ۴۶، ۱۰۵) راقم کی تحقیق کے مطابق آپ کا نام 'محمود حسن' ہے، یعنی 'ال' کے بغیر۔

حاصل کلام

انگریزی تراجمِ قرآن مجید کے حوالے سے پروفیسر قدوائی کی یہ کتاب جہاں اپنے اندر بہت سی خوبیوں کو سمیٹے ہوئے ہے، وہاں انسانی کاوش ہونے کے سبب اس میں موضوعات کے نادرست عناوین، مترجمین کے نامکمل اور غیر معروف نام، مترجمین کی تواریخ وفات سے متعلق غیر تحقیقی بیانات، مبصرین کے غیر حقیقی تبصرے اور تراجم قرآن کریم سے متعلق چند سطحی آراء بھی شامل ہیں۔ ان لغزشوں کی طرف پچھلے پندرہ برس سے کسی نے توجہ نہیں دلائی۔ راقم نے دلائل کے ساتھ ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ الحمدللہ قدوائی صاحب حیات ہیں، ہماری رہ نمائی فرما سکتے ہیں۔ اگر ہماری تحقیق کے مطابق یہ تسامحات موجود ہیں تو امید ہے کہ مستقبل کی اشاعت میں تصحیح کر کے وہ راقم کو دعاؤں سے ضرور نوازیں گے۔

جوابِ استدراک

——————— پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

میری تصنیف 'مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن' کے بارے میں جناب خورشید احمد قادری کے گراں قدر تبصرے اور کلماتِ خیر کے لیے سراپا سپاس ہوں۔اس موضوع سے ان کا شغف قابلِ داد ہے کہ علوم قرآنی کے اس گوشے کی جانب اب تک کماحقّہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ البتہ ان کے تبصرے کے بعض اجزاء تصریح اور تصحیح کے متقاضی ہیں۔ مندرجہ ذیل معروضات ان کے اور قارئین کے لیے غالباً مفید ہوں گی:

ا۔ 'توقیفی' کو 'توفیقی' بنادینا کاتب اور مصحّح کی بدتوفیقی ہے۔ بہرکیف یہ فاش غلطی ہے۔ مجلّے اور کتاب دونوں میں اس کا درآنا افسوس ناک ہے۔ اردو کی طباعتی دنیا میں ایسے سقم اور ستم شرم ناک حدتک عام ہیں۔

۲۔علمی اور تحقیقی مباحث میں سروکار صرف اصل نام سے ہوتا ہے۔ القاب، خطابات اور اسناد کی گنجائش نہیں ہوتی۔اسی اصول کے پیشِ نظر غلام سرور کے اصل نام پر اکتفا کیا گیا۔ اگر زیرِ بحث ان کے کوئی اور ہم نام ہوتے تو کوئی امتیازی علامت اختیار کی جاتی۔

معاصر ہم نام شخصیات کی موجودگی کے باعث جو التباس پیدا ہوتا ہے اس کی ایک تازہ مثال بہ طور عبرت پیش ہے۔ اپنی کتاب The Koran in English (۲۰۱۷ئ) میں پروفیسر بروس لارسن Bruce Lawrence شعبۂ ہبیاتڈیوک یونی ورسٹی، امریکہ نے یہ گل افشانی کی ہے کہ راقم الحروف کا قادیانیت کے بارے میں موقف اتنا غیر منطقی اور غیر متوازن ہے کہ اس نے اپنی تحریروں میں اپنے ممدوح

عبدالماجد دریابادی کی محمد علی سے عقیدت کا ذکر کیا ہے، لیکن اسے محمد علی کے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید پر اپنی سخت تنقید میں محمد علی کی اس عظمت کا مطلق کوئی لحاظ نہیں رہتا، جس کے بارے میں دریابادی رطب اللسان رہتے ہیں۔ پروفیسر لائنس کو یہ تسامح اس لیے ہوا کہ اوّل الذکر سے مراد محمد علی جوہر اور مؤخر الذکر سے مراد محمد علی قادیانی مترجمِ قرآن مجید ہیں۔ دونوں کو پروفیسر موصوف نے ایک ہی شخصیت گردانا۔

۳۔ علمی گفتگو اور بیان میں کسی سنہ کے ضمن میں اندازاً کا اضافہ اسی امر کا اعلان اور اعتراف ہوتا ہے کہ متعین سنہ کے بارے میں مستند اطلاع مفقود ہے، یا مصنف کے علم کے مطابق دست یاب نہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے لاطینی اصطلاح Circa (سِرکا) مستعمل ہے اور اس کا مخفف C استعمال ہوتا ہے۔

۱۹۸۷ء میں، یعنی آج سے تینتیس (۳۳) سال قبل جب میں نے غلام سرور کے ترجمے پر اپنا مقالہ تحریر کیا تھا تو موصوف کے بارے میں میری کاوش کے باوصف صرف یہ اطلاع دست یاب تھی کہ وہ ۱۹۲۹ء تک بہ قید حیات تھے۔ میرے پیش نظر موصوف کی سوانح کی تحقیق مطلق نہ تھی، اس لیے صرف ان کے عہد کا ذکر کیا اور ان کے ترجمے کے محاسن اور عیوب پر اپنی معروضات پیش کیں۔ اب انٹرنیٹ کے بے تحاشا اطلاعاتی برکات کا دور دورہ ہے۔ انٹرنیٹ پر غلام سرور کا صرف سنۂ وفات ۱۹۵۴ء ہی نہیں درج ہے، بلکہ ان کا مکمل شجرۂ نسب بھی محفوظ ہے۔ مبصر کو مصنف کے مقصود کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے، ورنہ تبصرہ غیر متوازن ہو جاتا ہے۔

۴۔ غلام سرور کا ترجمہ بالتحقیق ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ یہ مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر رہا۔ اس کا یہ نسخہ کولمبیا یونی ورسٹی امریکہ کے کتب خانے میں اندراج شمار OCLC7914001 کے تحت محفوظ اور دست یاب ہے۔ مزید برآں ترک فاضل اکمل الدین احسان اوغلو کی قاموسی کتابیات The World Bibliography of the Holy Quran (۱۹۸۰ء) میں بھی اس کا سنۂ اشاعت ۱۹۲۰ء درج ہے۔ میری کتابیات Bibliography of the Translations of the

Meanings of the Quran (مدینہ منورہ، ۲۰۰۷ئ) میں غلام سرور کے ترجمے کی کل دس (۱۰) طباعتوں کے کوائف بالتفصیل موجود ہیں۔

۵۔کسی مصنف کی تصانیف کے اشتہار کی اشاعت کا اس کی مدّتِ حیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے مبصّر کا یہ مفروضہ اندرونی شہادت کے حکم میں داخل نہیں۔ صدیوں قبل گزرے علماء اور فضلاء کی تصانیف کے اشتہار آج بھی جابجا ملتے ہیں۔ کئی سال ہوئے، پاکستان سے تفسیر ابن عباس کا اولین اردو ترجمہ طبع اور مشتہر ہوا ہے۔

۶۔غلام سرور کا سنۂ وفات متعین طور پر ۱۹۵۴ء ہے۔ فاضل مبصّر اگر انٹرنیٹ دیکھ لیتے تو غیر ضروری قیاسات سے محفوظ رہتے۔

۷۔سول سروس (Civil Service) بدیہی طور پر انتظامیہ کے ہم معنیٰ ہے۔ اس دور کے ملایا (موجودہ ملیشیا) میں انتظامیہ اور عدلیہ مشترک طور پر بہ طور سول سروس معروف تھی۔ بہر کیف میرے اس بیان کو غلام سرور ملایا میں انتظامیہ کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، موصوف کی اہانت یا غلط بیانی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ میرے پیش نظر ان کے مناصب کی تفصیل نہ تھی کہ وہ جج رہے، یا کسی اور عہدے پر متمکن تھے۔ مجھے سروکار ان کے ترجمے کے حسن و قبح سے تھا، ضمناً ان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے اور انتظامی عہدوں پر فائز ہونے کا ذکر کیا گیا تھا، تاکہ قارئین کو ان کے علمی پس منظر سے واقفیت ہو جائے۔

۸۔تفسیری حواشی ایک آسان معروف ترکیب ہے۔ اس سے مراد کسی آیتِ قرآنی میں مذکور کسی تلمیح، اصطلاح، قابلِ وضاحت لفظ، یا عبارت کی وہ توضیح اور تشریح ہوتی ہے جو مفسر قارئین کی رہ نمائی کے لیے تحریر کرتا ہے۔ ایسے تفسیری حواشی غلام سرور کے ترجمے میں خال خال ہیں۔ ترجمۂ قرآن مجید پر محاکمے میں ان کی اہمیت اور افادیت یہ ہے کہ متن کے ترجمے کے پہلو بہ پہلو اس کے مشکل اور قابلِ وضاحت نکات بھی قارئین پر روشن ہوتے جاتے ہیں۔ بہ صورت دیگر رہ نمائی سے محروم قارئین

خلجان کا شکار ہوتے ہیں۔ سیرۃِ طیبہ اور قرآن مجید کے مضامین کو محیط ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) صفحات میں غلام سرور نے گراں قدر معلومات قارئین کو فراہم کی ہیں، جس کا میں نے اعتراف کیا ہے اور اس بصیرت افروز تحریر پر داد بھی دی ہے، البتہ پس منظر کی یہ تحریر تفسیری حواشی کا مقصد پورا نہیں کرتی اور قارئین کی بہتر انداز میں رہبری نہیں ہوتی۔ معیاری ترجمۂ قرآن مجید کا ایک امتیاز تفسیری حواشی کا التزام ہے، جو غلام سرور کے ہاں مفقود ہے۔

۹۔ اپنے مقدمے میں غلام سرور نے مستشرقین (سیل، راڈویل اور پالمر) کے گم راہ کن انگریزی تراجمِ قرآن مجید پر انتہائی عالمانہ اور پر مغز نقد ونظر کیا ہے اور اسلام اور قرآن مجید کے خلاف ان کی غلط بیانی اور بغض وعناد کو طشت از بام کیا ہے۔ اگر ضمناً غلام سرور نے ان مستشرقین کی انگریزی زبان وبیان کی ستائش کی ہے تو یہ قابلِ گرفت امر نہیں ہے۔

۱۰۔ غلام سرور نے قادیانی مترجم محمد علی کی محض کم زور انگریزی کی نشان دہی کی ہے اور ان کی تصنیف کے اصل عیب یعنی باطل قادیانی عقائد کی ترجمانی پر اظہارِ خیال سے پہلو تہی کی ہے۔ کسی بھی ترجمۂ قرآن مجید پر تبصرے میں اوّلیت اس کے فکری اور ذہنی مقصود کو متعین کرنا اور قارئین کو اس کے موقف سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ غیر عربی داں قارئین قرآن مجید کے عربی متن سے نابلد ہوتے ہیں اور اس کے معنیٰ ومطلب کے لیے مترجم پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر مترجم ہی کج روی کا مرتکب ہو، قرآن مجید کے پیغام کو اپنی نظریاتی ترجیحات اور معتقدات کے زیر اثر مسخ کرکے پیش کررہا ہو تو مبصّر کے لیے قارئین کو خبردار کرنا لازم ہے۔ غلام سرور نے محمد علی کے ترجمے میں جاری وساری قادیانیت کے دجل وفریب پر سکوت اختیار کیا ہے، جو نا قابلِ فہم ہے۔ میں نے اپنے تبصرے میں موصوف کی اسی خطا پر نگیر کی ہے۔ عقائد کے بالمقابل زبان پر عبور یا اس کا فقدان اتنا اہم پہلو نہیں۔ اگر غلام سرور محمد علی کے گم راہ کن اور اسلام سوز عقائد کا علمی تعاقب کرتے اور اپنے تبصرے کو ان کے ہاں صرف زبان وبیان کی غلطیوں کی نشان

دہی تک محدود نہ رکھتے تو میں معترض نہ ہوتا۔

۱۱۔ فاضل مبصّر کا یہ خیال سادہ لوحی اور خوش عقیدگی ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ اگر مستشرق مترجمینِ قرآن حیات ہوتے اور غلام سرور کی تنقیدات ان کی نظر سے گزرتیں تو وہ اپنے تراجمِ قرآن پر نظرثانی کر کے انہیں تسامحات سے پاک کر لیتے۔ مستشرقین کا مقصد اسلام اور قرآن مجید کو مطعون کرنا ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کا ہر لفظ زہر میں بجھا ہوتا ہے۔ یہ توقع کہ وہ غلام سرور کے تبصرے کے زیر اثر اپنی اسلام دشمنی سے تائب ہو جاتے، طلسمِ ہوش ربا کے ایک نئے باب کا مضمون ہو سکتا ہے، جس کا حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں۔

۱۲۔ اپنے نظرثانی شدہ ایڈیشنوں میں محمد علی نے اپنے قادیانی عقائد کی تبلیغ و ترویج میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ زبان و بیان میں جزوی اصلاحات سے ان کے ترجمے کی شناعت میں کوئی فرق نہیں واقع ہوتا۔

۱۳۔ کتابت کی غلطیاں اردو مطبوعات کا مقدّر ہیں۔ بہر کیف اگلے ایڈیشن میں ان کی اصلاح کر دی جائے گی، ان شاء اللہ۔ مبصّر اس محنتِ شاقہ کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۱۴۔ فاضل مبصّر نے میری تصنیف میں بعض مترجمین کے عناوین، ناموں اور تواریخ میں اغلاط کا صرف اجمالاً ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل نہیں دی ہے۔ علمی تحریر میں ایسے رموز اور کنایات سے اجتناب بہتر ہے۔ اگر وہ متعین مثالیں درج کرتے تو میں ان کی اصلاح یقیناً کرتا اور ان کی دیدہ ریزی کا ممنون ہوتا۔ بہرکیف ان کی یہ تحریر اس موضوع سے ان کے اخلاص اور شغف کی آئینہ دار ہے۔ **اللھم زد فزد۔**

دو نئی مطبوعات

۱۔ توحید اور قیام عدل — مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیال پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت:۔/ ۵۰ روپے

۲۔ اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

زمانۂ نزول قرآن میں یہودیت اور عیسائیت دو بڑے مذاہب تھے۔ قرآن نے ان کے ماننے والوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کی تحریفات اور انحرافات کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ہی اللہ کا اصل دین ہے، جسے لے کر ہر پیغمبر آیا تھا اور جس کے ساتھ اب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ان بنیادی نکات کو نمایاں کیا گیا ہے جنھیں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کو دیگر اہل مذاہب سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس مطالعہ میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قدیم و جدید کتبِ تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ صفحات: ۸۴، قیمت:۔/ ۵۴ روپے

۔: ملنے کے پتے :۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر۔ ۹۳ علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

رپورٹ سمینار

عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، یکم تا ۳/ مارچ ۲۰۲۰ء

مولانا سراج کریم سلفی/ مولانا محمد جرجیس کریمی

الحمد للہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس نے مؤرخہ یکم تا ۳ مارچ ۲۰۲۰ء کو 'عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز' کے موضوع پر سہ روزہ قومی سیمینار کا انعقاد کیا۔ اس میں پیش کیے گئے وقیع مقالات اور گراں قدر مباحث ان شاء اللہ امت مسلمہ کو نئی روشنی اور احیائے امت کے لیے مستقبل کا لائحۂ عمل تیار کرنے میں مددگار رہوں گے۔

اس سیمینار میں کل نو (۹) اجلاس ہوئے اور ان میں چھتیس (۳۶) مقالات پیش کیے گئے۔ ہر اجلاس میں صدارتی خطاب کے علاوہ خصوصی خطاب بھی ہوا۔ تمام اجلاسوں میں سوالات وجوابات اور تاثرات وتبصروں کے لیے خاص طور سے وقت رکھا گیا تھا، چنانچہ شرکاء نے مباحثہ میں کافی دل چسپی لی۔ سیمینار میں ملک کے مؤقر اداروں کی نمائندگی ہوئی۔ ان میں مرکز جماعت اسلامی ہند نئی دہلی، تصنیفی اکیڈمی نئی دہلی، دار المصنّفین اعظم گڑھ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ دینیات، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، شعبۂ پولیٹکل سائنس، شعبۂ کیمسٹری، اجمل خان طبیہ کالج، ذاکر حسین انجینئرنگ کالج، خلیق احمد نظامی قرآنک سینٹر، یوجی سی اسٹاف کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی حیدرآباد، علامہ اقبال اکیڈمی حیدرآباد، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار العلوم دیوبند، جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ، ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ، دار الفکر علی گڑھ اور جامعہ ربانی سمستی پور (بہار) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں اس کی تفصیلی رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔

افتتاحی اجلاس

یکم مارچ کو صبح ۱۰ر بجے افتتاحی اجلاس نہایت اہتمام سے منعقد ہوا۔ اس کی صدارت صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری نے کی اور نظامت کے فرائض سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے ادا کیے۔ موصوف نے بتایا کہ تین سال قبل اس سیمینار کی منصوبہ بندی کی گئی تھی، مگر سابق سکریٹری ادارہ پروفیسر صفدر سلطان اصلاحیؒ کی حادثاتی وفات کی وجہ وہ ملتوی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کئی بار اس کے انعقاد کی کوشش ہوتی رہی، مگر بوجوہ اس میں کامیابی نہ مل سکی۔ اب الحمد للہ اس کا انعقاد ممکن ہو پایا ہے۔ اس کے بعد استقبالیہ کلمات پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (نائب صدر ادارۂ تحقیق و ناظم دار المصنّفین، اعظم گڑھ) نے پیش کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں مسلمان آئے تو انہوں نے آغاز میں دعوتی کام کیا۔ بعد کی صدیوں میں انہوں نے یہاں ایک عظیم حکومت قائم کی۔ مگر بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ اس دوران انہوں نے اسلام کی تعلیمات، خاص کر مساوات اور اخوت کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچایا۔ اگر پہنچایا ہوتا تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی، جس سے ہم گزر رہے ہیں۔

کلیدی خطاب جناب سید سعادت اللہ حسینی، امیر جماعت اسلامی ہند کا سیمینار کے مرکزی موضوع پر تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ ٹکنالوجی کے موجودہ دور میں انسان کی بڑی ضرورت روحانی تسکین کی ہے۔ عہدِ وسطیٰ میں اسلام کی کشش کا ایک بڑا سبب اس کی روحانی طاقت تھا۔ عصر حاضر میں اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلام کو روحانی ارتقاء اور روحانی تسکین کے لیے ایک مؤثر فلسفہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ خاندان کی بقا اور عورت کی پناہ گاہ صرف اسلام میں باقی رہ گئی ہے۔ اس وقت اسلام کو درپیش فکری اور عملی چیلنج بہت بنیادی اور گہرا ہے۔ ہماری ضرورتیں پرانی کتابوں کی باتوں کو نئی زبان میں دہرانے سے پوی نہیں ہوسکتیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے اہلِ فکر عصر حاضر کے مسائل اور افکار و نظریات کا انتہائی گہرائی سے مطالعہ کریں اور نئے افکار اور نئے آئیڈیاز کے ساتھ سامنے آئیں۔

صدرِ ادارہ اور سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسانی مسائل کا حل اسلام نے پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مذہب کا تعلق دلیل اور منطق سے نہیں، بلکہ خاص قسم کی ذہنی کیفیت سے ہے۔ اسلام اس کی تردید کرتا ہے۔ اس کا اصل خطاب عقل سے ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان عقل و شعور کی حامل مخلوق ہے، اسی لیے اسے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ اگر وہ عقل و شعور سے کام نہ لے تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس پہلو کو قرآن مجید نے بار بار ابھارا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ تقویٰ اور خشیت الٰہی پر خاص زور دیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اور خشیت لازم و ملزوم ہیں۔ مولانا عمری نے فرمایا کہ علم وہ مطلوب ہے جو محض دوسروں کے لیے مفید نہ ہو، بلکہ اس کا اثر فرد کی ذات پر بھی ہو۔

اس کے بعد ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی سابق سکریٹری ادارہ نے ادارہ کا مختصر تعارف پیش کیا اور اس کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے ہندو پاک میں ادارہ اور سہ ماہی تحقیقات اسلامی پر تحریر کیے جانے والے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کا تذکرہ کیا۔

پروگرام کا آغاز قاری محمد اجمل قاسمی کی تلاوت سے ہوا۔ ناظم جلسہ نے پروگرام کے اختتام پر کلمات تشکر پیش کیے۔

پہلا اجلاس

سیمینار کا پہلا اجلاس جناب اعجاز احمد اسلم کی صدارت میں منعقد ہوا اور نظامت کے فرائض مولانا محمد جرجیس کریمی نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں چار (۴) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ پروفیسر سید مسعود احمد نے 'قرآن اور سائنس۔ قرب و بعد کے پہلو اور تعاون باہمی کی راہیں' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سائنس کے احیاء اور ارتقاء کے لیے قرآن مجید یقینا مثبت رول ادا کرسکتا ہے۔ سائنس کی اصلاح میں

قرآن کی رہ نمائی کی ضرورت ہے ،تاکہ یہ پوری طرح علم نافع بن جائے۔ نصابِ سائنس کی تدوین میں قرآن حکیم اصول اور فروع دونوں سطحوں پر رہ نمائی کرتا ہے۔

دوسرے مقالہ نگار ڈاکٹر وقار انور نے' معاشیات سے متعلق جدید چیلنجز' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مروّجہ علمِ معاشیات اپنی افادیت کھو چکا ہے۔اس سے انسانی دنیا کی معیشت سے متعلق مسائل کے منصفانہ حل کی توقع محال ہے۔موصوف نے معاشیات کو درپیش جدید چیلنجز کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے تدارک کی تدابیر بھی بیان کیں۔

تیسرے مقالہ نگار پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے' اسلام کو درپیش داخلی چیلنجز' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے سامنے بہت سے داخلی وخارجی چیلنجز ہیں۔ یہ چیلنجز اسلامی احکام وتعلیمات کی وجہ سے کم، مسلمانوں کے حالات، معاملات، رویوں اور اخلاق کی وجہ سے زیادہ ہیں۔ انہوں نے داخلی چیلنجز کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ قرآن وحدیث نے ان کا بہترین حل پیش کیا ہے۔

چوتھے مقالہ نگار پروفیسر اشہر بیگ کے مقالے کا عنوان تھا:' جمہوریت میں فسطائیت کا غلبہ۔موجودہ سیاسی کش مکش کے تناظر میں' ۔انہوں نے بتایا کہ حکم راں طبقہ جب اپنے ملک کے سنجیدہ انسانی، سماجی، معاشی اور تعلیمی مسائل حل کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو وہ ملک کے شہریوں کو آپس میں لڑا کرا لجھا دیتا ہے۔اس کے لیے وہ زبان، قومیت اور مذہب کو فرقہ وارانہ رنگ دیتا ہے۔اس وقت ہمارے ملک میں یہی صورت حال درپیش ہے۔ضرورت ہے کہ ملک کے باشندے حکم راں طبقہ کے اس مکر وفریب کو سمجھیں۔

دوسرا اجلاس

دوسرا اجلاس مولانا اختر امام عادل قاسمی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر شہاب الدین قاسمی نے ادا کیے۔اس اجلاس میں چھ(۶) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ محترمہ روح نما پروین نے پیش کیا۔ان کا عنوان تھا:' یونی فارم سول کوڈ

اوراس کے نفاذ کی راہ میں دشواریاں‘۔انھوں نے بتایا کہ یکساں سول کوڈ کا چیلنج علمائے اسلام کے سامنے شروع سے رہا ہے۔اس کا مقابلہ وہ برابر کرتے رہے اوراس میدان میں اب بھی سرگرم ہیں۔

دوسرا مقالہ سراج کریم سلفی نے ’موجودہ حالات میں شعائر اسلام کا تحفظ۔کیوں اور کیسے؟‘ کے عنوان سے پیش کیا۔انھوں نے شعائرِ اسلام پر داخلی وخارجی یلغار کا جائزہ لیا اوران کے تحفظ سے متعلق چند تدابیر بیان کیں۔

تیسرے مقالہ نگار ڈاکٹر ندیم اشرف نے ’مسلم اقلیت کے بعض سیاسی مسائل اوران کا اسلامی حل‘ کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔انھوں نے کہا کہ مسلم قوم کا المیہ یہ ہے کہ وہ بعض سیاسی پارٹیوں کا آلۂ کار بن جاتی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے تدارک کی تدابیر کی طرف رہ نمائی کی۔

چوتھا مقالہ ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی نے ’بھارت کے مسلم اقلیت: مسائل اور حل‘ کے عنوان سے پیش کیا۔انھوں نے بھارت میں مسلم اقلیت کے بعض سماجی اور مذہبی مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے حل کی تدابیر بیان کیں۔

پانچویں مقالہ نگار مولانا محمد شعیب ندوی کا عنوان تھا: ’اسلام اور مغرب کا تصورعلم‘۔انھوں نے اسلام کے نظریۂ علم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ علم معرفتِ الٰہی کا نام ہے، اسلام علم کو مفید اور غیر مفید میں تقسیم کرتا ہے۔اس کے ذریعے انسان انفس وآفاق میں غوروتدبر کرتا ہے، جب کہ مغربی تصورعلم کے مطابق مثالی انسان وہ ہے جو اپنی صلاحیت واستعداد اور وسائل کو مادی مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرے۔

مذکورہ بالا عنوان ہی پر ڈاکٹر ابوسعد اعظمی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔انھوں نے کہا کہ تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جدید نسل کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ اچھا انسان بن کر زندگی گزار سکے۔مغربی نظامِ تعلیم میں اس پر توجہ نہیں ہے کہ لوگ اچھے انسان بنیں اور اچھی زندگی گزار سکیں۔ ان کی ساری توجہ ان علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے پر ہے جن سے دنیاوی مفاد وابستہ ہے۔

تیسرا اجلاس

اس اجلاس کی صدارت ڈاکٹر محمد رفعت، پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ و رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی ہند نے فرمائی۔ ڈاکٹر ابوسعد اعظمی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس اجلاس میں سات (۷) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ مولانا محمد انس فلاحی مدنی نے 'خواتین کا مسجد میں داخلہ — سپریم کورٹ میں استغاثہ اور شریعتِ اسلامیہ کا موقف' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام نے خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت دی ہے، مگر مسلمانوں نے بوجوہ اس پر عمل ترک کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اسلام پر اعتراضات کیے جا رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس اجازت کو بحال کیا جائے، تا کہ خواتین مسجد کی برکات سے مستفیض ہوسکیں اور اسلام پر اعتراضات کا دروازہ بند ہو جائے۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی نے 'اسلام اور سائنس کا مباحثہ۔ علی گڑھ اسکول کے تناظر میں' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے چار مکاتبِ فکر کا ذکر کیا۔ اول الذکر تین کی مختصر وضاحت کی اور چوتھے مکتبِ فکر پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

تیسرے مقالہ نگار ڈاکٹر محی الدین غازی کا عنوان تھا: 'فنونِ لطیفہ اور اسلامی موقف۔ عصر حاضر کے تناظر میں'۔ انہوں نے فنونِ لطیفہ کی فنّی وضاحت کی، عصر حاضر میں اس کی معنویت پر روشنی ڈالی، دعوت کے لیے اس کی اہمیت اجاگر کی اور اس کے سلسلے میں اسلامی موقف بیان کیا۔

چوتھے مقالہ نگار ڈاکٹر محب الحق نے 'دورِ حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسایل' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے گلوبلائزیشن، اسلاموفوبیا اور دیگر مسائل پر روشنی ڈالی۔ ساتھ ہی نئی اصطلاحات کے استعمال میں ہونے والی غلطیوں کی نشان دہی کی۔

پانچواں مقالہ مولانا اختر امام عادل قاسمی نے 'مسلم اقلیت کے مسائل میں سیرتِ نبویؐ سے رہ نمایی' عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے موجودہ مسائل بیان کیے اور سیرتِ نبوی سے ان کو حل کرنے کی تدابیر بیان کیں۔

چھٹے مقالہ نگار ڈاکٹر عبید اقبال عاصم کا عنوان تھا: 'مذہبی قدریں۔ جدید ذرائعِ ابلاغ کے نرغے میں'۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے عہد میں سوشل میڈیا نے زمانے پر پوری طرح قابو پالیا ہے، بالخصوص ان اداروں کی حکم رانی میں جو مذہب کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے، اخلاقیات سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اور غیرت، شرم، حیا جیسے الفاظ سے ان کی آشنائی نہیں ہے۔

اجلاس کا آخری مقالہ جناب ایاز الشیخ نے پیش کیا۔ اس کا عنوان تھا: 'عصر حاضر میں رجوع الی القرآن کی اہمیت وضرورت: فکرِ اقبال کی روشنی میں'۔ انہوں نے موجودہ حالات میں رجوع الی القرآن کی اہمیت کی وضاحت کی اور اس سلسلے میں علامہ اقبال کے منتخب اشعار پیش کیے۔

چوتھا اجلاس

اس اجلاس کی صدارت پروفیسر احتشام احمد ندوی نے کی اور نظامت کے فرائض جناب مجتبیٰ فاروق نے ادا کیے۔ اس میں چھ (٦) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ مولانا محمد اعظم قاسمی نے 'مسلم اقلیت کے مسائل اور سیرتِ نبوی کی روشنی میں ان کا حل'' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بالخصوص مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کا ذکر کیا اور ان کے حل کی تدابیر بیان کیں۔

دوسرا مقالہ مولانا نصر اللہ ندوی کا 'جمہوریت اور جمہوری نظام کا جائزہ: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں' کے عنوان سے تھا۔ انہوں نے جمہوری اصطلاحات کا اسلامی اصولوں سے موازنہ کیا اور بتایا کہ اسلام میں ان کی گنجائش نہیں ہے، مگر بحالت مجبوری ان کو برتا جاتا ہے۔ اضطرار میں احکام کی نوعیت بدل جاتی ہے۔

تیسرا مقالہ مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'استخفافِ حدیث کی مختلف صورتیں اور تدارک کی تدابیر' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے استخفافِ حدیث کی مختلف صورتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ حدیث شریعت اسلامیہ کا بنیادی ماخذ ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے وہی اہتمام ہوا ہے جو قرآن کی حفاظت کے لیے ہوا ہے۔ انکارِ حدیث دراصل انکارِ

قرآن تک لے جاتا ہے، اس لیے اس سے احتیاط ہونی چاہیے۔

چوتھا مقالہ ڈاکٹر محمد رفعت نے 'سائنس اور ٹکنالوجی کے مفید اور مضر اثرات: خدشات اور امکانات' کے عنوان پر پیش کیا۔ انھوں نے انسان کے لیے تسخیر کائنات کا حوالہ دیا، ساتھ ہی سائنسی ایجادات کے سلبی پہلوؤں کی بھی وضاحت کی۔

پانچواں مقالہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے 'اسلام کے عائلی قوانین پر جدید اعتراضات کا جائزہ' کے عنوان پر پیش کیا۔ انھوں نے عائلی زندگی سے متعلق بعض جدید مسائل کا تذکرہ کیا، خصوصاً رحم مادر کو کرایے پر لینے کے مسئلہ کی وضاحت کی۔

چھٹا مقالہ جناب جاوید علی نے 'ہندوستانی تاریخ کے چھ شان دار ادوار۔ ساورکر کی نظر میں' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے ساورکر کے انتہا پسندانہ نظریات کی وضاحت کی اور بتایا کہ اس کے ہندو قوم کو متحد کرنے کے منصوبہ نے اپنے ہدف کو حاصل کرلیا ہے۔ اب دوسرے منصوبہ پر عمل ہورہا ہے کہ بھارت سے مسلمانوں کا اخراج کیسے کیا جائے؟

پانچواں اجلاس

اس اجلاس کی صدارت ڈاکٹر وقار انور نے کی اور نظامت کے فرائض جناب اشہد فلاحی نے ادا کیے۔ اس میں چھ (۶) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے 'قرآن کا تصورِ اطاعتِ الٰہی اور ہمارا رویہ۔ اصلاح کی ضرورت' کے عنوان پر پیش کیا۔ انھوں نے قرآن مجید سے مسلمانوں کی غفلت پر روشنی ڈالی اور امت کے لیے اسے ایک چیلنج قرار دیا۔ آخر میں اس کے حل کی تدابیر بتائیں۔

دوسرا مقالہ پروفیسر توقیر عالم فلاحی نے 'مسلم معاشرے میں اخلاقِ فاسدہ کا رواج' کے عنوان پر پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ موجودہ مسلم معاشرہ سخت اخلاقی امراض میں مبتلا ہیں، جن کا فوری علاج ہونا چاہیے۔

تیسرا مقالہ پروفیسر احتشام احمد ندوی نے 'آزادی فکر وعمل اور اجتہاد' کے عنوان پر پیش کیا ہے۔ انہوں نے اجتہاد کی اہمیت اجاگر کی اور آزادی فکر وعمل کے حدود بیان کیے۔

چوتھا مقالہ ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی نے 'قرآنی تدبر وتفکر اور سائنسی علوم' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے قرآنی حوالوں سے بتایا کہ آفاق وانفس میں غور وتدبر کی کھلی دعوت دی گئی ہے۔ موجودہ دور میں سائنسی ایجادات واکتشافات کی یہی شاہ کلید ہے۔

چوتھا مقالہ مولانا ذکی الرحمن غازی مدنی نے 'استخفافِ حدیث کی مختلف صورتیں: حضرت ابوہریرہؓ کی کردار کشی کے حوالے سے' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مستشرقین نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو صحبتِ نبوی بہت کم مدت کے لیے حاصل ہوئی تھی، اس کے باوجود انہوں نے کثرت سے روایات بیان کیں، جو بعید تر معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے کے تمام اشکالات کا علمی جواب فراہم کیا۔

پانچواں مقالہ مولانا محمد ذکوان ندوی نے 'رجوع الی القرآن کی ضرورت اور اس کا صحیح منہج' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ مسلمانوں میں رجوع الی القرآن کم سے کم ہوتا جا رہا ہے، اس کی طرف علمائے امت کو توجہ کرنی چاہیے۔

چھٹا مقالہ جناب مجتبیٰ فاروق نے 'اسلام میں خواتین کی سیاسی وسماجی شمولیت' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس سلسلے میں علماء کی دو آراء ہیں: ایک رائے جواز کی تو دوسری عدمِ جواز کی ہے۔ اس پر مزید غور وفکر کی ضرورت ہے۔

چھٹا اجلاس

اس اجلاس کی صدارت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے کی اور نظامت کے فرائض مولانا کمال اختر قاسمی نے ادا کیے۔ اس میں تین (۳) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ ڈاکٹر مبین سلیم ندوی ازہری نے 'اسلام میں آزادی فکر وعمل کے حدود' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے ان حدود کا تذکرہ کیا جو مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے سلسلے میں ملحوظ رکھنے چاہییں۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد شہاب الدین قاسمی نے 'اسلامی تہذیب کو درپیش چیلنجز' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کی بے عملی اور بدعملی اپنی جگہ قابل توجہ ہے، مگر اسلامی تہذیب کو کئی پہلوؤں سے خارج سے چیلنجز درپیش ہیں۔ ان کا تدارک دین پر استقامت اور ثابت قدمی ہی سے ممکن ہے۔

تیسرا مقالہ مولانا عبداللہ شمیم ندوی نے 'ہندوستان میں دعوتِ دین کو درپیش چیلنجز' کے عنوان سے پیش کیا۔ انہوں نے اسلام اور سناتن دھرم کی بعض مشترکہ تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں بعض انبیاء کی بعثت کے آثار ملتے ہیں، خصوصاً حضرت نوحؑ کے حوالے سے انہوں نے بتایا کہ ہندو قوم اصلاً حضرت نوحؑ کے متبعین میں سے ہے، جن کی تحریف شدہ تعلیمات آج بھی ان کی مذہبی کتابوں میں موجود ہیں۔

صدرِ اجلاس ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے اپنے صدارتی تبصرے میں کہا کہ کسی مضبوط اور ٹھوس ثبوت کے بغیر دو مذاہب کے درمیان مناسبتیں تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔

ساتواں اجلاس

اس اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر ندیم اشرف نے ادا کیے۔ اس میں تین (۳) مقالات پیش کیے گئے۔

پہلا مقالہ مولانا کمال اختر قاسمی نے 'ہندوستان میں اسلاموفوبیا اور مسلمانوں کا تحفظ' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت منظم طریقہ سے برادرانِ وطن کی ذہن سازی کی گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں آج ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔

دوسرا مقالہ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے 'مطالعۂ قرآن کو درپیش چیلنجز' کے عنوان سے پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جرمنی میں ایک اہم پروجیکٹ پر کام چل رہا ہے، جس کا مقصد قرآن مجید کا 'مستند ایڈیشن' تیار کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کی خوش آئند خبروں سے مسلمانوں کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے، کیوں کہ یہ عیسائی مشنریز، مسیحی ذہنیت اور استشراقی منصوبوں کا حصہ ہے۔ اہلِ یورپ اس طرح کے منصوبوں سے

قرآن مجید کی صحت اور حقانیت کو مشتبہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ بیس (۲۰) برسوں میں قرآن کے پچاس (۵۰) انگریزی تراجم سامنے آچکے ہیں۔ ان میں قرآن کی حقیقی تعلیمات کے علی الرغم افکار پیش کیے گئے ہیں۔

تیسرا مقالہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی نے 'رجوع الیٰ القرآن کی ضرورت و اہمیت اور اس کا صحیح منہج' کے عنوان پر پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ملت میں بعض تحریکات محض رجوع الیٰ القرآن کے نام پر چلیں، مگر وہ اپنے مقصد کے حصول میں پوری طرح کام یاب نہ ہوسکیں، کیوں کہ رجوع الیٰ القرآن کا صحیح مفہوم ان کے نظر سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اختتامی اجلاس

اس اجلاس کی صدارت پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے کی اور اس کی نظامت کے فرائض سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے ادا کیے۔ یہ نشست اصلاً تأثراتی تھی، جس میں شرکائے سمینار میں سے جناب اعجاز احمد اسلم، مولانا محمد ذکوان ندوی اور جناب مجتبیٰ فاروق نے اپنے تأثرات بیان کیے۔ انہوں نے آئندہ بہتر طریقے سے سیمینار منعقد کرنے کے لیے بعض تجاویز پیش کیں۔ مزید اس بات پر زور دیا کہ سمینار میں پیش کیے گئے مقالات نظر ثانی کر کے شائع کیے جائیں، تا کہ علمی حلقوں میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

ڈاکٹر محمد رفعت نے اپنے الوداعی خطاب میں فرمایا کہ امت مسلمہ کے اندر آفاقی مشن رکھنے والے گروہ کا شعور پیدا ہونا چاہیے۔ عالمِ اسلام آزاد نہیں ہے۔ اسے عالمی طاقتوں کے حصار سے آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ظاہری اتحاد اصل چیز نہیں ہے، بلکہ اصل ضرورت خیالات کے اتحاد کی ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں خیالات کی حد تک اتحاد موجود ہے۔

زادِراہ کے طور پر صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری نے کہا کہ بعض اوقات سیرتِ نبوی کے مکی دور کا حوالہ اس طرح دیا جاتا ہے کہ وہ پُرسکون اور کش مکش سے پاک دور تھا، اسی سے ہمیں رہ نمائی حاصل کرنی چاہیے۔ حالاں کہ مکی دور بھی خالص کش مکش کا دور

تھا۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آخر حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام سے اہلِ مکہ کی دشمنی اور عداوت کے اسباب کیا تھےَ اس کی روشنی میں مکی دور کا مطالعہ ہونا چاہیے۔ مولانا محترم نے تفصیل سے وضاحت کی کہ مکی دور سے ہمیں کیسے رہ نمائی ملے گی؟

صدرِ اجلاس پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے فرمایا کہ موجودہ دور میں چیلنج اسلام کو نہیں، بلکہ مسلمانوں کو درپیش ہے۔ انہوں نے ملک کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں خدمتِ خلق پر زور دینا چاہیے، تاکہ برادرانِ وطن کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں موجود نفرت وعداوت کم ہو۔

آخر میں کنو ینر سمینار مولانا محمد جرجیس کریمی نے مہمانانِ گرامی، علمائے ذی وقار، مقالہ نگاران، مختلف اجلاسوں کے صدور، کارکنانِ ادارہ اور معزز سامعین کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا۔ صدرِ ادارہ کی دعا پر سمینار اختتام کو پہنچا۔

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی / مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی جانب سے منعقدہ سمینار مؤرخہ ۲۳۔ ۲۴/ فروری ۲۰۱۴ء کے مقالات کا مجموعہ ،جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابر اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے چھتیس (۳۶) مقالات شامل ہیں۔ ان میں تہذیب و سیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی و سیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں حکومت و سیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

دیدہ زیب ٹائٹل، بہترین کاغذ اور معیاری طباعت

کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

تعارف وتبصرہ

تجوید القرآن کے رہ نما اصول قاری بشیر احمد خاں

ناشر: دارالقراءت کلیمیہ، اورنگ آباد(مہاراشٹر) Mob:9423954832
سنہ اشاعت: ۲۰۱۹ء، صفحات ۲۹۸، قیمت ۱۵۰/- روپے

قرآن مجید کے جو حقوق اہلِ ایمان پر عائد ہوتے ہیں ان میں دو حقوق بہت اہم ہیں: ایک اسے صحیح طریقے سے پڑھنا، دوسرا اسے صحیح طریقے سے سمجھنا۔ یہ دونوں حقوق اپنی جگہ اہم ہیں اور ان کے درمیان توازن مطلوب ہے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت میں یہ توازن مفقود نظر آتا ہے۔ بہت سے مسلمان ہیں ،جنھیں قرآن نہ صحیح طریقے سے پڑھنا آتا ہے اور نہ وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا احکام دیے گئے ہیں اور کیا تعلیمات پیش کی گئی ہیں؟ بہت سے مسلمان ہیں، جو اس کی تلاوت تو صحیح طریقے سے کرتے ہیں، لیکن اس کے معانی ومفاہیم سے بالکل نا آشنا ہیں۔ بہت سے مسلمان ہیں ، جو اس میں خوب غور وتدبر کرتے ہیں، اس کے معانی میں غوّاصی کرتے ہیں اور اس سے نئے نئے نکتے نکالتے ہیں، لیکن ایک آیت بھی درست طریقے سے نہیں پڑھ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ رویّوں میں سے کوئی بھی رویہ درست نہیں ہے، بلکہ بہ یک وقت قرآن مجید کا درست طریقے سے پڑھنا بھی مطلوب ہے اور اسے سمجھنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

علوم قرآن کا ایک اہم علم تجوید و قرأت ہے۔ علماء نے اسے غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر عربی اور اردو دونوں زبان میں بہت سی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اردو میں خصوصیت سے مولانا اشرف علی تھانوی کی 'جمال القرآن' اور قاری صدیق احمد باندوی کی 'تسہیل التجوید' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ حال میں ڈاکٹر تابش مہدی کی کتاب 'رہنمائے تجوید' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اس موضوع پر قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اسے بیس (۲۰) سے زائد کتبِ تجوید و قراءت سے استفادہ کے

بعد تیار کیا گیا ہے۔اس میں فن تجوید کے تمام مسائل اور اصول بہت آسان اور عام فہم اسلوب میں پیش کیے گئے ہیں۔فن کی باریکیوں کی توضیح وتفہیم سہل انداز میں کی گئی ہے۔ مخارج کے اصول وجزئیات کا استیعاب مستند حوالوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔مضامین کی ترتیب عمدہ ہے۔ کتاب کی ابتدا میں فضائلِ تلاوتِ قرآن، آدابِ تلاوت، تجوید کی اہمیت اور آخر میں قرآن سے متعلق ضروری معلومات، مثلاً وحی، تاریخِ نزولِ قرآن، تاریخ حفاظتِ قرآن اور قرآن سے متعلق اعداد وشمار جیسے اہم مباحث بھی شامل کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مؤلف جناب قاری بشیر احمد خاں ہیں۔انھوں نے عصری درس گاہوں سے تعلیم حاصل کی ہے، اس سے فراغت کے بعد عدالتی نظام میں اہم خدمت پر مامور ہیں۔ابتدا ہی سے انھیں فنِ تجوید سے شغف رہا ہے۔انھوں نے اورنگ آباد میں تجوید وقراءت کے مشہور ادارہ دارالقراءت کلیمیہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور مشہور قاری عشرہ مولانا محمد نثار احمد کلیمی فضلی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔زمانۂ طالب علمی ہی میں انھوں نے یہ کتاب مرتب کرنا شروع کی تھی،لیکن اس کی اشاعت کی نوبت اب آئی ہے۔فنِ تجوید کے ماہرین نے اس کو ملاحظہ کرکے اپنی توثیق وتائید سے نوازا ہے۔ چنانچہ کتاب کی ابتدا میں دس (۱۰) تقریظات شامل ہیں۔

امید ہے، اس کتاب کو علمی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوگا۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے مدارس کے شعبۂ تجوید وقراءت کے نصاب میں شامل کیا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسے ان کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

کھیل کود، تفریحات اور اسلام ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مترجم: مولانا ذکی الرحمن فلاحی مدنی

ملنے کا پتہ: اریب پبلی کیشنز، ۱۵۴۲، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، صفحات، ۴۳۲، قیمت: ۲۹۵/ روپے

اسلام فطرت سے ہم آہنگ اور فطری مقاصد کو بروئے کار لانے والا دین

ہے۔کھیل کود، ورزش اور سیر وتفریح انسانی فطرت کا تقاضا اور انسانی صحت کے لیے ضروری ہے۔مزاح، خوش دلی اور خوش طبعی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے۔اس لطیف احساس سے بالکل خالی ہونا ایک نقص ہے، جو بسا اوقات انسان کو خشک محض بنا دیتا ہے۔دل ودماغ اور روح کوتروتازہ رکھنے کے لیے عبادات اوراذکار کے ساتھ تفریح، کھیل کود اور فنون لطیفہ سے حظ اٹھانا بھی ضروری ہے۔اسی لیے اسلام نے اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے تفریح کی اجازت دی ہے۔عصر حاضر کے معروف فقیہ اور محقق علامہ یوسف القرضاوی نے کھیل کود اور تفریحات کے مسئلے پر مفصل، مدلل اور اطمینان بخش طریقے پر اسلامی نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔موصوف عالم عرب کی ایسی نمایاں شخصیت ہیں جنھیں اردو دنیا میں شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔ان کی اکثر تصانیف اردو زبان میں منتقل ہوکر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔زیر تبصرہ کتاب موصوف کی عربی کتاب **'فقہ اللہو والترویح'** کا اردو قالب ہے۔

مترجم نے اپنے پیش لفظ میں وقت کی قدر و قیمت، اہمیت اور اس کے صحیح استعمال سے متعلق بعض بزرگان دین کے سبق آموز واقعات پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔کھیل کود اور تفریحات کے بارے میں صحیح اسلامی تصویر پیش کرنے کے ساتھ انسانی زندگی میں اس کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔مقدمہ میں کھیل کود کے جواز پر کتاب وسنت کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس طرح تجارت ایک جائز امر ہے،اسی طرح لھو' یعنی کھیل کود بھی جائز امر ہے۔تمہیدی کلمات کے تحت ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جولہو ولعب کو حرام اور ناپسندیدہ خیال کرتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب 'ہنسی مذاق کی تفریح' پر مشتمل ہے۔اس باب میں ہنسی مذاق اور مزاح کے تعلق سے اسلام کا موقف پیش کیا گیا ہے۔نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ سے انسانی زندگی میں مسرت پسندی اور لہو ولعب کی ضرورت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بطور مثال بعض مزاح کار صحابہ کی زندگی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ارباب تصوف کے حزنیہ انداز پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔آخر میں مسلمانوں میں کامیڈی کے

رواج اور لطیفہ گوئی پر بھی مختصر اروشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ہنسی مذاق کے جواز کی حدیں بھی بیان کردی گئی ہیں کہ اسلام کا مزاج اعتدال و توسط پر مبنی ہے۔ ہر معاملے میں وہ اسی کا حکم دیتا ہے اور افراط و تفریط سے منع کرتا ہے۔

دوسرے باب میں 'کھیل کود کا اسلامی تصور' بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کھیل کود اور تفریح کے سلسلے میں اسلام نے چند ایسے اصول فراہم کر دیے ہیں جن کی روشنی میں دنیا بھر کے کسی بھی کھیل کے سلسلے میں اسلامی موقف کو بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اصولی طور پر اسلام نے انہی کھیلوں سے روکا ہے جو اس کے اعلیٰ مقاصد اور شریعت کے عملی احکام کے خلاف جاتے ہیں۔ ایسے نو (۹) اصول گنائے گئے ہیں۔ اسی باب میں جوئے کی حرمت اور لاٹری ٹکٹ کا حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اگلے باب میں 'بہادری کے کھیل' جیسے دوڑ، کشتی، نشانے بازی، نیزے بازی اور گھڑ سواری پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ ایسے کھیل ہیں جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے سندِ جواز بخشی ہے۔ اس کے بعد 'کسرتی کھیل' کے تحت نئے زمانے کے کھیل، مثلاً جو اولمپک میں کھیلے جاتے ہیں، تیراکی، گیند کے کھیل، جیسے فٹ بال، والی بال، پیشہ ورانہ کھیل، طاقت نمائی کے کھیل، خود حفاظتی کھیل اور یوگا کی ورزش کے مقاصد اور ضابطے بیان کیے گئے ہیں۔

'پُرخطر کھیل' میں کوہ پیمائی، اونچی عمارتوں پر چڑھائی، کاروں کی ریس، جمناسٹک، کار لڑانے کا کھیل، مکے بازی اور فری اسٹائل کشتی، سانپوں کا کھیل، جانوروں کو لڑانا وغیرہ ہیں۔ اس طرح کے پُرخطر کھیل شرعاً ممنوع ہیں، کیوں کہ ہر وہ کھیل جس میں انسانی جان کو ہلاکت اور خطرے سے دوچار کرانا پڑے، ناجائز ہے۔ کچھ کھیل ایسے ہیں جن سے عقل میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہانت بڑھتی ہے، مثلاً پانسے (چوسر)، شطرنج، تاش پتے، لوڈو، کارٹون ویڈیو گیم، کمپیوٹر موبائل گیم وغیرہ۔ ان کے سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کے دلائل کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دل بہلانے کا تفریحی مشغلہ رقص اور تالی بجانا ہے۔ رقص کی مختلف نوعتیں ہیں، جیسے جائز رقص، ممنوعہ رقص، مشرقی رقص، فلمی گانوں کا رقص، مخلوط رقص اور بیلی ڈانس وغیرہ۔ مصنف نے ہر رقص کا شرعی نقطۂ نظر سے

جائزہ لیا ہے اور اس کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ مصنف کے نزدیک ان کے سلسلے میں کافی توسع پایا جاتا ہے اور مترجم کا ان سے اس سلسلے میں اصولی اختلاف ہے۔

بعض لوگ شکار کا شوق رکھتے ہیں اور وہ اسی ذریعے سے تفریح میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک باب میں شکار سے متعلق احکام کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں بسم اللہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ فلم اور ڈرامہ اس زمانے کے خاص مشاغل ہیں اور اسے فنون لطیفہ کی سب سے معروف صنف شمار کیا جاتا ہے۔ یہ افکار ونظریات کو عام کرنے کا بھی ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس سلسلے میں صاحبِ کتاب کی رائے یہ ہے کہ جو چیزیں ٹیلی ویزن یا پردۂ سیمیس پیش کرتا ہے، یہ بذات خود حرام ہوتی ہیں نہ مطلقاً حلال۔ ان کی حرمت وحلت میں مؤثر ان کے مشمولات ومضامین ہیں۔ اگر کوئی چیز پیش کی جاتی ہے جو اچھی اور خوب ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ گندی اور فحش ہے تو فی البدیہہ حرام ہے۔

بچوں کا سیریل 'پوکی مون' بھی بعض مشمولات کی وجہ سے، جن کا ذکر کتاب میں تفصیل سے کیا گیا ہے، نامناسب ہے۔ بچوں کو اس طرح کے سیریل سے دور رکھنا چاہیے۔ کتاب کے آخری باب میں مقابلہ جاتی تفریح، جیسے گھڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، کوئز انعامی مقابلے، کوپن اور ٹکٹ کی قرعہ اندازی جیسے مشاغل سے بحث کی گئی ہے۔

اپنے موضوع پر یہ ایک مفصل اور مدلل کتاب ہے۔ اس میں کھیل کود اور تفریحات سے متعلق ہر چیز کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گویا یہ معاصر تفریحی مشاغل کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ہر مسئلے کی تبیین وتوضیح میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اسلاف کے اقوال پیش کیے گئے ہیں اور 'دین آسان ہے' کے فقہی اصول کو ترجیح دی گئی ہے۔

اس اہم اور بیش قیمت کتاب کو عربی سے اردو میں مولانا ذکی الرحمن غازی فلاحی مدنی نے منتقل کیا ہے۔ مولانا محترم مشہور علمی دانش گاہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں تفسیر قرآن اور ادب کے استاد ہیں اور تین درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ اس سے پہلے بھی متعدد کتابوں کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے ترجمانی نہیں،

بلکہ اصل کتاب کا گمان ہوتا ہے۔ انداز بیان آسان اور اسلوب نہایت عمدہ ہے۔ مشکل الفاظ کے انگریزی مترادفات کا بھی انھوں نے اضافہ کر دیا ہے۔ میرے نزدیک ان کا یہ اضافہ غیر ضروری الفاظ کے سلسلے میں زیادہ ہے اور واقعی جن الفاظ کے مترادفات درج کرنے کی ضرورت تھی، انھیں چھوڑ دیا ہے۔ مثال کے طور پر زندہ (Live)، اہم (Important)، انتہاؤں (Extremes)، اور پَر (Wings) وغیرہ درج ہے، لیکن 'اوریجن آف اسپیشیز' کا مترادف مذکور نہیں۔

فاضل مترجم نے کتاب میں چار ضمیمے شامل کیے ہیں۔ انہیں الگ سے کتابی صورت میں شائع کیا جانا زیادہ مناسب تھا۔

امید ہے کہ اس قابل قدر کتاب کا علمی حلقوں میں استقبال کیا جائے گا اور اسے بحث کا موضوع بنایا جائے گا۔ (عبدالحیّ اثری)

'کھیل کود، تفریحات اور اسلام' ایک اہم موضوع ہے اور کسی حد تک اسے جدید بھی کہا جا سکتا ہے۔ عالم اسلام کی معروف شخصیت اور محقق علامہ یوسف القرضاوی کی تصنیف 'فقہ اللھو والترویح' اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرتی ہے۔ جامعۃ الفلاح کے استاذِ تفسیر و ادب مولانا ذکی الرحمٰن غازی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس پر تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے۔

راقم نے اپنی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' میں اس موضوع پر بھی قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے بعض عنوانات یہ ہیں: کھیل کود (ایک فطری ضرورت)، تیر اندازی، گھڑ سواری، مقابلے اور ورزشیں، تفریحات، تفریح کی اجازت اور افادیت، نغمہ اور جائز موسیقی (ص ۱۷۶ – ۲۲۰) یہ کتاب پچیس (۲۵) سال قبل شائع ہوئی۔ اس کے چار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ پاکستان سے بھی اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اس کا ملیالم میں بھی ترجمہ موجود ہے۔ جو اصحاب اس موضوع سے دل چسپی رکھتے ہیں ان کے لیے امید ہے، اس کا مطالعہ بھی افادیت کا باعث ہوگا۔ (جلال الدین)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۷۵)

☆ مولانا کمال اختر قاسمی رکنِ ادارہ گزشتہ دو سال سے 'اسلام اور مغرب کا نظام خاندان' کے عنوان پر کام کررہے تھے۔ الحمدللہ انھوں نے یہ کام مکمل کرلیا ہے۔

☆ مولانا محمد انس فلاحی مدنی کا ادارۂ تحقیق میں رفیق کی حیثیت سے تقرر کیا گیا ہے۔ کچھ برس قبل وہ ادارہ کے تصنیفی تربیت کورس سے استفادہ کرنے کے بعد مزید تحصیلِ علم کے لیے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ اب وہاں سے فارغ ہوکر آگئے ہیں اور ادارہ کے لیے یکسو ہیں۔ فروری ۲۰۲۰ء سے انھوں نے اپنا کام شروع کردیا ہے۔ ان کے لیے موضوع 'نومسلموں کے مسائل اور ان کا حل' طے کیا گیا ہے۔

☆ ۱۳ر فروری ۲۰۲۰ء کو شعبۂ دعوت، جماعت اسلامی ہند کے مرکزی سکریٹری جناب محمد اقبال ملا کی ادارہ آمد ہوئی۔ انھوں نے ادارہ کے رفقاء اور اسکالرس کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہوئے ملک میں دعوتِ اسلامی کے امکانات پر روشنی ڈالی۔

☆ ۳ر مارچ ۲۰۲۰ء کو مولانا سید جلال الدین عمری ، ڈاکٹر محمد رفعت ، پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جناب اعجاز احمد اسلم، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ریڈینس نئی دہلی نے ادارہ کے رفقاء اور اسکالرس کے ساتھ ایک نشست کی، جس میں ان کی علمی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کی اور مفید مشورے دیے۔

☆ یکم تا ۳ر مارچ ۲۰۲۰ء کو ادارۂ تحقیق میں سہ روزہ سمینار بعنوان 'عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز' منعقد ہوا۔ اس میں چھتیس (۳۶) علماء اور دانش وروں نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اس کی تفصیلی رپورٹ اسی شمارہ میں پیش کی جارہی ہے۔

☆۲۲-۲۳ فروری ۲۰۲۰ء کو شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں 'شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کی قرآنی خدمات' کے عنوان پر دو روزہ سمینار منعقد ہوا۔ اس میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی معاون مدیر مجلہ نے 'پروفیسر کبیر احمد جائسی اور تذکرۂ

مفسرین' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔مولانا محمد جرجیس کریمی نے ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی کی کتاب 'قرآنی مطالعات' اور مولانا انس مدنی نے ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی کی کتاب 'ہندو محققین کا مطالعۂ قرآن وسیرت' کا تعارف کرایا۔

☆ ۴–۵/ مارچ ۲۰۲۰ء کو خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں 'ہندوستانی مدارس اور اداروں کی قرآنی خدمات' کے عنوان سے دو روزہ سمینار منعقد ہوا۔اس میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے 'جماعت اسلامی ہند کی قرآنی خدمات' اور مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی قرآنی خدمات' پر مقالات پیش کیے۔

☆ ۷/ مارچ ۲۰۲۰ء کو خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن میں مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'کام یابی کا قرآنی تصور' کے عنوان پر پر ایک لیکچر پیش کیا۔

☆ ادارۂ تحقیق کی علمی ضرورتوں کے پیش نظر جناب سید سعادت اللہ حسینی، امیر جماعت اسلامی ہند نے چار کمپیوٹر (۳/ڈسک ٹاپ اور ایک لیپ ٹاپ) اور ایک آل ان ون پرنٹر عنایت کیے ہیں۔اب ادارہ کے ہر رکن کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت حاصل ہوگئی ہے۔

☆ ادارۂ تحقیق اور سہ ماہی تحقیقات اسلامی کے بہی خواہان کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مجلہ کے تمام شمارے ٹیلی گرام چینل پر اپ لوڈ کردیے گئے ہیں۔اس میں ڈاؤن لوڈ کرنے اور پڑھنے کی بھی سہولت ہے۔یہ خدمت مشہور محقق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی کے صاحب زادے جناب عمار محمد اجمل نے انجام دی ہے۔موصوف ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ادارہ ان کا شکر گزار ہے۔چینل کا لنک یہ ہے: https://t.me/tahqeeqatislami

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 39 No.2

April - June 2020

Editor

Syed Jalaluddin Umari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Reasoned Arguments and Relationship between Knowledge and Morality (A Study of Islamic Thought)** 5
   Syed Jalaluddin Umari
2. **Environmental Pollution: Causes and Remedy** 17
   Yasir Farooq
3. **Hadith Literature in India (Introduction and Analysis of Efforts Made So Far)** 37
   Maulana Muhammad Jarjees Karimi
4. **The Art of Prophet's Encomia and Certain Hindu Poets** 51
   Dr. Muhammad Usama
5. **Shaikh Ali Muttaqui and His Work 'Kanz al-Ummal'** 65
   Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi
6. **Hafiz Ghulam Sarwar and His English Translation of the Qur'an** 79
   (An Overview of Professor Abdur Raheem Kidwai's Review)
   Dr. Hafiz Khurshid Ahmad Quadri
7. **Clarifications** 95
   Professor Abdur Raheem Kidwai
8. **Report of Seminar on _Challenges Facing Islam in the Contemporary Age** 101
   Maulana Siraj Kareem Salfi/ Maulana Jarjees Karimi
9. **Book Reviews** 113
10. **Activities of Idara-e-tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami** 119

Abstract of the Articles

Reasoned Arguments and Relationship between Knowledge and Morality

(A Study of Islamic Thought)

Syed Jalaluddin Umari

President, Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami,Aligarh

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami organised a seminar on 'Challenges Facing Islam in the Contemporary Age' at its premises in Aligarh from 1st to 3rd March 2020. The Presidential Address Maulana Syed Jalaluddin Umari delivered in the seminar has been presented in the form of this article.

Maulana Umari said the assumption about religion that it is based on customs, traditions and vague beliefs and that it has nothing to do with reason or rationale is not proper at least in the context of Islam. Islam addresses reason and presents its viewpoint with reason. The Messengers of Allah presented their respective messages with sincerity and reason but their denigrators mocked at them and adopted a disparaging attitude towards them.

The Qur'an declares those who enjoy the proximity to Allah when they see the Signs of Allah spread all over the universe as Oolul Albaab (wise people). It mentions in detail the qualities of the wise. It also asserts that they hold Imaan and knowledge and they maintain high standard of morality and character.

Environmental Pollution: Causes and Remedy

Yasir Farooq

Lecturer,Dept. of Islamic Studies,Govt.MD.College, Faisalabad (Pakistan)

Yasirfarooq797@gmail.com

The human and animal life in the present era is threatened by the enormously dangerous effects of environmental pollution. Many species are becoming extinct and

the threat of pollution is multiplying day by day.

Islam is a religion of nature. It guides human beings in their natural human needs and goals for peaceful and comfortable life in a society. Environment is one of these basic needs which provide base for preservation of living things. The undue interference and over exploitation of natural resources (forests, water and air) are causes of environmental pollution. The root cause of this is ignorance and lack of fear of problems that man will face in future. Due to ignorance man does not know what harmful effects are caused by environmental pollution and could be the causes of this pollution and what should be the remedy of this. People put their personal interests in the forefront for their selfishness even though they know that their deeds are harmful to other living species on this planet. If fear of God dwells in human heart, humans will not harm other living beings for personal interests.

Much has been discussed about the ecosystem and its conservation. The present paper deliberates Islamic teachings on the subject and also aims to highlight the teachings and instructions of Islam about protection of environment. As the Muslim communities consist of a big portion of the world population, so if they adopt these principles, positive changes can be brought in global environment.

Hadith Literature in India

Introduction and Analysis of Efforts Made So Far

Maulana Muhammad Jarjees Karimi

Senior Fellow, Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami Aligarh

jarjeeskarimi@gmail.com

Much has been written on the introduction of Hadith Literature in India during the last one century. First of all, Allama Syed Sulaiman Nadvi wrote an article in the Ma'arif Monthly (October-November 1928), analysing the journey of Hadith Literature in India from the Period of the Companions till

mid-14th century Hijri. Thereafter Allama Abu Yahya Imam Khan Naushehri wrote on the subject many articles that were published in the Ma'arif. The article of Maulana Abu Salma Shafi Ahmad was published in the Burhan Monthly. Dr. Zubair Ahmad and Dr. Muhammad Ishaque presented doctoral theses on the Arabic Works on Hadith Literature in India and Contribution of India to the Study of Hadith Literature respectively.

Maulana Abdur Rasheed Iraqi's book, Bar-e-Sagheer Hind-o-Pak mein Ilm-e-Hadith (Hadith Literature in Indo-Pak Subcontinent) was published. Famous biographer Maulana Muhammad Ishaque Bhatti wrote many books on the subject. Maulana Syed Mahboob Rizvi's article, Urdu mein Tarajim-e-Hadith (Hadith Translations into Urdu) was published in the October 1942 issue of the Burhan Monthly. This article introduces these and other books and articles published on this subject.

The Art of Prophet's Encomia and Certain Hindu Poets

Dr. Muhammad Usama

Guest Faculty, Dept. of Islamic Studies, Jamia Millia Islamia, New Delhi

usama9911@gmail.com

A rich treasure of Prophet's encomia has been presented in the various languages of the world right from the Prophet's Age till the Modern Age. Both Muslim and Non-Muslim poets have expressed their love and devotion to Allah's Messenger (peace and blessings of Allah be to him). The basic factor behind the Non-Muslim poets' encomia was the ambience of tolerance which was developed between Hindus and Muslims after the freedom struggle. The encomia presented by them often included polytheistic ideas and thoughts and hyperbole.

This article presents a brief history of encomia presented by Hindu poets and analyses them. It also introduces some

famous Hindu encomia-poets like Maharaja Kishan Prasad Shaad, Chaudhary Dallu Ram Kausari, Pandit Balmukund Arsh Mulsiyani, Munshi Shankar Lal Saqui and Prof. Jagannath Azad and their encomia works.

Shaikh Ali Muttaqui and His Work 'Kanz al-Ummal'

Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi
Secretary, Dept. of Islamic Society, Jamaat-e-Islami Hind
mrnadvi@gmail.com

There is a golden history of promotion and publication of Hadith in the Indian subcontinent. Many great Muhadditheen from here benefited the entire Islamic world. They rendered the yeomen service of writing ahadith and notes thereon and their works won huge popularity from academic circles. Such a great personality is that of Shaikh Ali Muttaqui of the 10th Hijri/ 16th century C.E. In his own age, he was regarded as the greatest Muhaddith of the Islamic world.

This article throws light in brief on the life and works of Shaikh Ali Muttaqui, mentioning his teachers and disciples, and his dexterity in Hadith Literature. In the end, it introduces in detail his famous work Kanz al-Ummal fi Sunan-al-Aqwal wal Afa'al, mentioning its contents as well as its editions.

Hafiz Ghulam Sarwar and His English Translation of the Qur'an (An Overview of Professor Abdur Raheem Kidwai's Review)

Dr. Hafiz Khurshid Ahmad Quadri
Asst. Professor, Dept. of Islamic Studies, G.C. University,
Lahore, Pakistan
khurshidahmadgcu@gmail.com

Professor Abdur Raheem Kidwai (b. 1956) has written a book entitled 'Mustashreqeen Aur Angrezi Tarajim-e-Qur'an'(The Orientalists and English Translations of

the Qur'an). Therein he has done invaluable research on the English translations of the Qur'an published the world over, highlighting their merits and demerits. In this process he has also introduced the English translation of the Qur'an by Hafiz Ghulam Sarwar.

This article traces many errors in Professor Abdur Raheem Kidwai's review of Hafiz Ghulam Sarwar and his translation of the Qur'an into English. For example, he has deemed his (Ghulam Sarwar's) name deficient, has not been able to ascertain his lifetime accurately, and hasn't mentioned his service preoccupations properly. Likewise, he has not introduced his (Ghulam Sarwar's) translations of the Qur'an in a fitting manner. For example, the assumption of Professor Kidwai that Ghulam Sarwar has expressed his devotion to his contemporary Qadiyani (Ahmadiyya) translators of the Qur'an is not in the fitness of things. This article critically analyses Professor Kidwai's assertions about Hafiz Ghulam Sarwar and his English translation of the Qur'an.

Clarifications

Professor Abdur Raheem Kidwai
Director, Academic Staff College, Aligarh Muslim University, Aligarh
sulaim_05@yahoo.co.in

Professor Abdur Raheem Kidwai has presented his clarifications on the analysis of his assertions by Dr. Hafiz Khurshid Ahmad Quadri in his article 'Hafiz Ghulam Sarwar and His English Translation of the Qur'an'.

He has written that in academic discussions the name of the writer as mentioned is considered enough; there is no room for any further consideration. When the article referred to was written 33 years ago, in 1987, the information about the life of Ghulam Sarwar was very little, but now detailed information about him is available on the internet, wherewith his year of death can be ascertained. Ghulam Sarwar did point out the poor English of Ahmadiyya translator of the Qur'an

Muhammad Ali but kept away from mentioning the real deficiency in his translation of the Qur'an i.e. representation of the Ahmadiyya ideology. Hence criticism thereon.

Report of Seminar on Challenges Facing Islam in the Contemporary Age

Maulana Siraj Kareem Salfi / Maulana Jarjees Karimi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami organised a national seminar on 'Challenges Facing Islam in the Contemporary Age' at its premises in Aligarh from 1st to 3rd March 2020. This seminar consisted of nine sessions and 36 papers were presented therein. In every session there was a keynote address as well as the presidential address. In the inaugural session Janab Syed Saadatullah Husaini, Ameer Jamaat-e-Islami Hind presented the keynote address on the central theme of the seminar. In every session there were provisions for questions-and-answers, remarks and comments. Therefore, the participants took keen interest in the discussions. The seminar witnessed the representation of respectable institutions from all over the country.

This article presents a gist of basic points of the papers presented in the seminar.

BOOK REVIEW

1. *Tajweedul Qura'n ke Rahnuma Usool* (Guiding Principles of Phonetical Recitation of the Qura'n), Darul Qira't Kalimiyya ,Aurangabad, MS, 2019. Pages: 298, Price:IRs.150/-

   Reviewed by Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

2. *Khel kud,Tafrihat Aur Islam*(Games and sports, Entertainment and Islam), Allama Yusuf Al-Qardhawi, Tranlator: Maulana Zakiur Rahman Falahi Madni, Areeb Publications, 1542-Pataudi house, Darya Ganj, New Delhi, Pages: 432, Price:IRs.295/-

   Reviewed by Maulana Abdul hai Asari

# قرآن حکیم کے تراجم وتفاسیر

کے بعض اڈیشن اب نئے انداز میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی عصری اسلوب میں قرآن حکیم کی عام فہم اور دل نشیں تفسیر تفہیم القرآن اور ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی کی مناسبت سے نفیس اور عمدہ کاغذ پر دیدہ زیب طباعت۔

تفہیم القرآن گولڈن سیٹ	Shrink پیکنگ باکس میں	ہدیہ 3000.00
تفہیم القرآن اول تا ششم	ڈیلکس اڈیشن (بیگ کے ساتھ)	ہدیہ 2500.00
ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی	45 gsm بائبل پیپر پر	ہدیہ 550.00
ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی	58 gsm نیچرل شیڈ پیپر	ہدیہ 360.00

ان کے علاوہ پہلے سے موجود مختلف سائزوں میں تراجم وتفاسیر کے ہندی اور انگریزی اڈیشن بھی دست یاب ہیں۔

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave,Jamia Nagar,New Delhi-110025

Phone: 26981652,26984347 **Mob:** 7290092401 **E-mail:**info@mmipublishers.net mmipublishers@gmail.com **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
April-June 2020

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف ومنکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد / ۱۱۰ • عام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطہ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد / ۱۴۰ • عام	۹۵/
۲۱	سبیل رب۔دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو نئی دہلی۔ ۲۵